Biannual Research Journal
AL-IDAH
Published by
SHAYKH ZAYED ISLAMIC CENTRE
UNIVERSITY OF PESHAWAR
PESHAWAR PAKISTAN
ISSN (Print) : 2075-0307
ISSN (Online) : 2664-3375
OPEN ACCESS
الإيضاح
شیخ زاید مرکز اسلامی جامعہ پشاور
www.al-idah.pk
JUL-DEC 2021
VOL:39 ISSUE:2

نزول وتدوینِ تورات:
چند ممتاز مسلمان اہلِ علم کی آرا کا تنقیدی جائزہ

Revelation and Compilation of the Torah: Critical Analysis of the Views of Some Prominent Muslim Scholars

Issue: http://www.al-idah.pk/index.php/al-idah/issue/view/35

URL: *http://www.al-idah.pk/index.php/al-idah/article/view/771.*

Article DOI: *https://doi.org/10.37556/al-idah.039.02.0771*

Author(s): Muhammad Mushtaq Ahmad

Former Director General, Shariah Academy, International Islamic University Islamabad Email: mmushtaqiiui@yahoo.com

Citation: *Muhammad Mushtaq Ahmad 2021. The Revelation and Compilation of Torah: A Critical Review of a Few Prominent Muslim Scholars. Al-Idah . 39, - 2 (Dec. 2021), 144 - 178.*

Received on: 08 – July - 2021
Accepted on: 11 – Aug - 2021
Published on: 24 – Dec - 2021

Publisher: *Shaykh Zayed Islamic Centre, University of Peshawar, Al-Idah – Vol: 39 Issue: 2 / July – Dec 2021/ P. 144 - 178.*

cc BY

Crossref
DOAJ DIRECTORY OF OPEN ACCESS JOURNALS
INTERNATIONAL Scientific Indexing
INDEX COPERNICUS INTERNATIONAL

Abstract:

Muslim scholars have generally assumed that the Torah was all revealed at once to Prophet Musa [Moses], peace be on him, which is why the Muslim discourse on the Torah generally lacks discussion on its codification. However, some of the Muslim scholars took the position that, like the Qur'an, the Torah was revealed gradually. The present paper examines the views of four eminent scholars – 'Ubaydullah Sindhi, Abu 'l-A'la Mawdudi, Amin Ahsan Islahi and Javed Ahmad Ghamidi – and tries to build a comprehensive theory about the revelation and codification of the Torah as well as about critical analysis of the content of the Pentateuch. It concludes that the principles which Muslim tradition has developed for ascertaining authenticity of traditions and for interpretation of the Qur'anic verses and Prophetic traditions as well as for reconciliation of apparently conflicting texts can be very beneficial in developing a coherent Muslim theory for Biblical criticism.

Key Words: *Torah, Pentateuch, Biblical Criticism*

تمہید:

تورات کے متعلق مسلمان اہل علم نے ، بہ استثناے چند، بالعموم یہ موقف اختیار کیا ہے کہ وہ پوری کی پوری بیک وقت سیدنا موسی علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ عام طور پر یہ بھی مان لیا گیا ہے کہ یہ واقعہ کوہ طور پر ہوا جب فرعون کی غرقابی کے بعد آپ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور آپ چالیس دن وہاں مقیم رہے، پھر آپ کو تورات پوری کی پوری الوح پر لکھی ہوئی دے دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اہل علم کی توجہ اس بات پر تو ہوتی ہے کہ کہ تورات پر کون کون سے حوادث گزرے اور اس میں کس کس طرح تحریف کی گئی؟ لیکن تورات کی تدوین کے مسئلے پر بالعموم وہ خاموش رہتے ہیں۔ تورات کے یکبارگی نزول کے لیے عام طور پر دیے جانے والے دلائل کا تفصیلی محاکمہ راقم الحروف نے ایک اور مقالے میں کیا ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں ہم بعض ان مسلمان اہل

علم کی آرا کا جائزہ لیں گے جو اس عمومی موقف کے برعکس تورات کے تدریجی نزول کے قائل ہیں اور اس وجہ سے انھوں نے تورات کی تدوین کے موضوع پر بھی بات کی ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے مولانا عبید اللہ سندھی (م ۱۹۴۴ء) کی رائے پیش کی جائے گی جسے وہ اپنی رائے کے بجائے شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۷۰۷ء) کی رائے کی توضیح قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح محسوس ہوتا ہے کہ مولانا ابو الاعلی مودودی (م ۱۹۷۹ء) کے سامنے بھی شاہ ولی اللہ ہی کی رائے تھی لیکن ان کا موقف، جس کا تفصیلی اظہار انھوں نے سورۃ آل عمران کی تفسیر میں کیا ہے، مولانا سندھی کے موقف سے یکسر مختلف ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی (م ۱۹۹۷ء) ابتدا میں عام اہل علم کی طرح تورات کے یکبارگی نزول کے قائل تھے۔ بعد میں انھوں نے اس رائے سے رجوع کر لیا اور اس کے قائل ہو گئے کہ تورات کا نزول قرآن مجید ہی کی طرح تدریجاً ہوا۔ مولانا اصلاحی کے شاگرد جناب جاوید احمد غامدی (ب ۱۹۵۱ء) نے مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے نظریات کو باہم ملا کر ایک تیسرا نظریہ تشکیل دینے کی کوشش کی ہے جس کی رو سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے نزولی ترتیب کو تبدیل کر کے سفر استثنا کی صورت میں تورات بنی اسرائیل کے حوالے کی تھی۔ تورات کے نزول اور تدوین کے متعلق ان اہل علم کی آرا کے تنقیدی جائزے کے ذریعے اس موضوع پر ایک جامع نظریے کے خدوخال پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔[۲]

فصلِ اول: مولانا عبید اللہ سندھی کا نظریہ:

مولانا سندھی نے تورات اور انجیل کے نزول اور تدوین پر بحث حدیث کی اہمیت اور حجیت پر شاہ ولی اللہ کی آرا کی تشریح کے ضمن میں کی ہے[۳] اور وہ اپنی بات کی بنیاد اس نکتے پر رکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "سطعات" میں کتبِ سابقہ کو کتبِ احادیث کی مانند قرار دیا ہے۔[۴]

صحفِ سابقہ کتبِ احادیث کی مانند ہیں:

چنانچہ پہلے مولانا سندھی یہ بات واضح کرتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی احادیث قرآن سے مستنبط ہیں، جبکہ عام طور پر اہلِ علم انھیں وحی غیر متلو پر مبنی سمجھتے ہیں۔ وہ مزید قرار دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی جمع و تدوین کا کام آپ کے بعد لوگوں نے کیا اور کتب سابقہ کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا:

> رسول اللہ ﷺ نے قرآن عظیم سے خود سمجھ کر، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے ہے، یا مستقل وحی سے اخذ کر کے، جیسا کہ عام اہل علم کہتے ہیں، قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے ایک مفصل نظام مرتب فرمایا۔ اس نظام کی تفصیلات کو، جسے ہم سنت کہتے ہیں، علمائے حدیث نے بڑی محنتوں کے بعد دو سو برس کے عرصے میں احادیث کی کتابوں میں جمع کر دیا۔ اس طرح انبیا کے حالات زندگی جمع کرنا پہلے زمانے میں بھی رائج رہا ہے۔

اس سلسلے میں "سطعات" میں شاہ ولی اللہ صاحب تصریح کرتے ہیں کہ ایسی وحی جس کے الفاظ اور معانی دونوں کے دونوں جس شکل میں کہ وہ نازل ہوئے تھے، قطعی طور پر محفوظ رہے ہوں، کسی مذہب کی کتاب الٰہی میں سوائے چند ٹکڑوں کے کہیں موجود نہیں ہے۔[۵]

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کتب سابقہ اس وقت جس حالت میں موجود ہیں ان میں وحی متلو پر مبنی حصہ بہت تھوڑا ہی محفوظ ہے؟ یا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتب سابقہ کا اصلاً "نزول" ہی احادیث کی طرح ہوا تھا۔ جیسا کہ آگے ہم دیکھیں گے، مولانا مودودی نے پہلی رائے اختیار کی ہے۔ تاہم مولانا سندھی دوسری رائے کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ اس مذہب کے علما اور ائمہ خود اپنے اجتہاد سے کتب الٰہی کو جمع کرتے تھے۔ ان میں نبی کی سیرت اور اس کے اقوال ہوتے۔ نیز ان کتابوں کے ضمن میں وہ باتیں بھی آجاتی تھیں جو براہ راست لفظاً اور معناً وحی کی صورت میں اس نبی پر نازل ہوتیں۔ اس کی مثال میں تورات کے دس احکام اور انجیل میں حضرت عیسی علیہ السلام کے بعض خطبے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ وحی کے ان چند ٹکڑوں کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا کتابوں میں وہ چیزیں بھی آجاتی تھیں جن کی نبی اپنے اجتہاد سے لوگوں کو تعلیم دیتا تھا، اور یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر اللہ کی جانب سے گرفت نہ ہو تو نبی کا یہ اجتہاد حکماً وحی سمجھا جائے گا۔ پہلے ادیان کی ان کتب مقدسہ کی مثال ہمارے ہاں کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ایسی کتب احادیث کی سمجھیے۔[۶]

اس طرح مولانا عبید اللہ سندھی دراصل اس اشکال سے بچنا چاہتے ہیں جو عام طور پر مسلمان اہل علم کو درپیش ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ ایک جانب قرآن مجید اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور دوسری طرف ان میں تحریف ہونے کا بھی اعلان کرتا ہے:

ادیان سابقہ کی مقدس کتابوں کو ہم بمنزلہ اپنی کتب حدیث صحیحہ کے مان لیں تو اس بظاہر سادہ سی تحقیق سے ایک بہت بڑے اشکال کا حل نکل آتا ہے۔ ہمارے علما عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ اصلی تورات اور انجیل غائب ہو چکی ہے۔ وہ اصل میں ان کتابوں کو بھی قرآن شریف کی طرح محفوظ دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کے دماغ میں یہ خیال راسخ ہو چکا ہے کہ سابقہ کتب الٰہیہ بھی قرآن کی طرح نازل ہوئی تھیں۔ چنانچہ جس طرح قرآن میں "کلام اللہ" بعینہ انھی الفاظ میں مدون ہے جن الفاظ میں اس کو وحی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ پر اتارا گیا، اسی طرح وہ تورات اور انجیل میں بھی "کلام اللہ" کو وحی

کی زبان میں ڈھونڈتے ہیں۔ اور چونکہ ان کتابوں میں یہ چیز نظر نہیں آتی، اس لیے وہ ان کو مقدس ماننے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہوتے۔ لیکن یہاں دقت یہ ہے کہ خود قرآن مجید اہل کتاب کو اس امر کی دعوت دیتا ہے کہ وہ توریت اور انجیل پر عمل کریں۔۔۔[۷]

آگے مولانا سندھی اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

الغرض اگر حدیث کو ان اہل علم کے دعوے کے مطابق براہ راست وحی کا حاصل مان بھی لیا جائے تو اس حالت میں بھی اگر سابقہ کتب مقدسہ یعنی تورات اور انجیل کو کتب حدیث کے درجے پر رکھا جائے تو یہ بات تسلیم کرنے میں ان کو تامل نہیں ہونا چاہیے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہماری حدیث کی کتابوں میں بھی غیر صحیح روایات موجود ہیں؟ بالاتفاق سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ نیز ان کتب حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر ہماری کتب حدیث میں کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہیں، جن کو محققین برابر درست کرتے رہے۔ ان باتوں کے پیش نظر اگر انجیل کی چار کتابوں کو صحاح اربعہ، یعنی، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابو داود اور ترمذی، کے درجہ پر مان لیا جائے تو ذرہ برابر اختلاف نظر نہ آئے گا۔[۸]

کتب سابقہ میں ایک ہی واقعے کے متعلق ایک سے زائد روایات اور ان کے درمیان اختلافات کی توجیہہ مولانا سندھی یوں کرتے ہیں:

ایک عرصہ ہوا میری نظر سے مسٹر ہنری سکاٹ کی شرح انجیل اردو میں گزری تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس میں انجیل کی چار کتابوں کے باہمی اختلافات کو اسی طرح جمع کرنے اور ان میں کسی ایک روایت کو دوسری روایتوں پر ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے، جیسے ہم کتب حدیث کی مختلف روایتوں کو جمع کرتے ہیں۔ اس دن سے سابقہ کتب مقدسہ سے متعلق تحریف کا وہ الزام جو عموماً ہم تورات اور انجیل کے سلسلے میں اہل کتاب پر عائد کرتے ہیں، اور جسے مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی نے اپنی کتاب "اظہار الحق" میں بڑے شد و مد سے ثابت کیا تھا، میری نظروں میں کمزور ہوتا چلا گیا اور امام بخاری، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ولی اللہ ایسے محقق عالموں کی

تحقیق، جو تورات میں تحریف کا انکار کرتے ہیں، میری سمجھ میں آنے لگی۔ لیکن اس ضمن میں جب تک ہم سابقہ کتب مقدسہ کو کتب حدیث کے درجے پر نہ مانیں، یہ مسئلہ صاف نہیں ہوتا۔ جب میں نے امام ولی اللہ کی کتاب "سطعات" میں اس مضمون کو صراحتاً مذکور پایا تو اطمینان کا سانس لیا۔[۹]

مولانا سندھی کے یہ طویل اقتباسات ہم نے اس لیے پیش کیے کہ ان کا نقطۂ نظر تفصیل سے واضح ہو جائے۔ ان کے نظریے کا خلاصہ ان نکات میں پیش کیا جا سکتا ہے:

۱. کتب سابقہ کا نزول قرآن مجید کی طرح وحی لفظی کی صورت میں نہیں ہوا، نہ ہی ان کی تدوین قرآن مجید کی طرح ہوئی۔

۲. کتب سابقہ کا غالب حصہ وحی غیر متلو کی صورت میں پیغمبر پر نازل ہوا جسے پیغمبر یا ان کے بعد ان کے ساتھی اور متبعین اپنے اجتہاد سے مدون کر دیتے۔

۳. کتب سابقہ میں کچھ حصہ ایسا ہے جو لفظاً و معناً وحی پر مبنی ہے اور جو اب بھی محفوظ ہے۔

۴. کتب سابقہ میں تحریف لفظی نہیں ہوئی، بلکہ بعض اہل کتاب ان میں تحریف معنوی کرتے رہے۔

۵. کتب سابقہ میں اختلاف روایت کی صورت میں علوم الحدیث، بالخصوص تاویل مختلف الحدیث، سے مدد لی جانی چاہیے۔

۶. مولانا سندھی کے موقف کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تورات کا "نزول" یکبارگی نہیں ہوا، بلکہ تدریجاً ہی ہوا ہے۔

مولانا سندھی کی رائے کا تنقیدی جائزہ:

یہ تمام نکات اپنی جگہ نہایت اہم ہیں اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ انبیائے سابقین پر کتب کا نزول قرآن مجید کی طرح لفظاً و معناً وحی (Revelation) کی صورت میں نہیں ہوا بلکہ ان پر صرف معانی کا القا (Inspiration) ہوتا تھا جسے وہ خود الفاظ کا جامہ پہناتے تھے تو کتب سابقہ کے متعلق پورا تصور ہی تبدیل ہو جاتا ہے۔ تاہم سوال یہ ہے کہ اس مفروضے کی بنیاد کیا ہے؟

تورات و انجیل کے نزول کے متعلق اہل کتاب کا موقف:

یہودی و عیسائی علما کا بالعموم یہ موقف رہا ہے کہ بائبل کے مختلف اسفار کے مصنفین کو جو وحی ہوئی تھی وہ Inspiration کی نوعیت کی تھی نہ کہ Revelatoin کی نوعیت کی۔ مثال کے طور پر الہام اور وحی کی حقیقت کے متعلق پادری جی ٹی مینلی کہتے ہیں:

خدا نے انسان کو مشین کی طرح استعمال نہیں کیا۔۔۔ اس نے انسان کو اپنا پیغمبر ہونے کے لیے بلایا اور اسے اپنا کلام سونپ دیا۔ پھر انسان نے اس کلام کو اپنی شخصیت کے

وسیلہ سے اوروں تک پہنچایا۔ اس کلام کے دوسروں تک پہنچانے پر ان کے ماحول اور حالات کا رنگ دکھائی دیتا ہے جسے خدا پہلے سے جانتا تھا۔۔۔"[۱۰]

کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائبل کے صحائف کے متن میں انسانی کاوش کا بھی عمل دخل ہے؟ مینلی کہتے ہیں:

ربانی اور انسانی عناصر ایک دوسرے جدا نہیں کیے جا سکتے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بات ربانی ہے اور یہ انسانی۔۔۔ خدا نے اپنے الفاظ انبیاء کے الفاظ میں نہیں ملائے بلکہ اس نے انبیاء کے وسیلے سے کلام کیا ہے۔ روح القدس نے انھیں اپنا پیغام دے کر انھیں یہ آزادی نہیں بخشی کہ وہ جیسے بھی مناسب سمجھیں اپنی مرضی سے اس میں ردوبدل کریں۔۔۔ یہ جہالت کی انتہا ہو گی اگر ہم کہیں کہ گنہگار شخص یہ فیصلہ کرے کہ "اتنا حصہ الٰہی ہے اور یہاں سے انسانی حصہ شروع ہوتا ہے۔۔۔"

اگرچہ اس موقف میں اندرونی تضادات نظر آتے ہیں، تاہم اس سے کم از کم اتنی بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مینلی کے نزدیک بائبل کے صحائف کے مصنفین پر لفظی وحی نازل نہیں ہوئی۔ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ "بے شک "لفظی الہام" کا ذکر بائبل میں کہیں نہیں ملتا۔"[۱۲] تاہم آگے وہ ایک اور مصنف کا قول نقل کرتے ہیں:

پاک نوشتے ایسے مکمل طور پر لکھے گئے ہیں کہ ان میں ایک لفظ بھی زیادہ یا کم نہیں۔ ان کے مصنفین نے ایک لفظ گھٹا یا بڑھا کر نہیں لکھا، بلکہ انھوں نے ایک ایک لفظ کو روح القدس کی ہدایت سے قلمبند کیا ہے۔"[۱۳]

بہر حال اصولی طور پر وحی لفظی کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ یہ قرار دیتے ہیں کہ ترجمہ اصل کی جگہ لے سکتا ہے:

مسیحی اپنی کتب مقدسہ کے بارے میں یہ خیال نہیں کرتے کہ اس کے ترجمہ سے اس کی پاکیزگی اور خوبی گھٹ جائے گی، جیسا کہ عام طور پر اہلِ اسلام قرآن کے متعلق سمجھتے ہیں۔ نہ ہی وہ ہندوؤں کی مانند ہیں جو ویدوں کو بمنزلہ طلسم اور منتر تصور کرتے ہیں جن کا اثر سنسکرت کے سوا اور کسی زبان میں نہیں ہو سکتا۔ برعکس اس کے بائبل کا ترجمہ نہایت خوش نما اور دلکش معلوم ہوتا ہے اور مسیحی اسے دوسری اقوام کے پاس ان کی اپنی زبان میں لے جاتے ہیں کیونکہ الفاظ کی حقیقی قدر و قیمت ان کی لفظی صورت میں نہیں بلکہ ان کے معنوں اور زندہ پیغام میں پنہاں ہے جس کے لیے ان کو استعمال میں لایا جاتا ہے۔"[۱۴]

اس ساری بحث میں یہ بات بہر حال نظرانداز نہیں ہونی چاہیے کہ اہل کتاب علما کی یہ راے موجودہ صحف کے متعلق ہے جبکہ ہماری بحث "اصل تورات" کے متعلق ہے۔

کیا تورات کا نزول لفظی وحی کی صورت میں نہیں تھا؟:

قرآن مجید کی متعدد آیات سے تورات اور قرآن مجید کے نزول میں یکسانیت معلوم ہوتی ہے۔ یہ یکسانیت چار مختلف پہلوؤں سے واضح ہوتی ہے۔

اولاً: نزول کے مفہوم کے لیے مستعمل الفاظ:

جیسے خود قرآن مجید کے نزول کے لیے تنزیل، انزال اور ایتاء کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اسی طرح تورات کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں:

من قبل ان تنزّل التوراۃ ۔[۱۵]

انا انزلنا التوراۃ ۔[۱۶]

و لقد آتینا موسی الکتٰب ۔[۱۷]

اسی طرح قرآن مجید نے تورات کے فیصلے کو اسی طرح "ماانزل اللہ" کے مطابق فیصلہ قرار دیا ہے جس طرح قرآن کے فیصلے کو قرار دیا ہے۔

"إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُواْ لِلَّذِينَ هَادُواْ وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُواْ مِن كِتَابِ اللّهِ وَكَانُواْ عَلَيْهِ شُهَدَاء فَلاَ تَخْشَوُاْ النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلاَ تَشْتَرُواْ بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلاً وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ"[۱۸]

(بے شک ہم نے اتاری تورات جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء، جو اللہ کے فرمانبردار تھے، اور ربانی علماء اور فقہاء فیصلے کرتے تھے ان کے لیے جنھوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا، بوجہ اس کے کہ وہ کتاب الٰہی کے امین اور اس کے گواہ ٹھہرائے گئے تھے۔ پس لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھی سے ڈرو۔ اور میرے احکام کو دنیا کی حقیر متاع کے عوض فروخت نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تو یہی لوگ کافر ہیں۔)

اس آیت میں تورات کے لیے "کتاب اللہ" کی ترکیب بھی استعمال ہوئی ہے جیسے یہ ترکیب خود قرآن مجید کے لیے کئی مقامات پر استعمال ہوئی ہے۔ ایک جگہ تورات اور قرآن دونوں کے لیے "کتاب من عند اللہ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

"قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَى مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ "[۱۹]

(کہہ دو (کہ اگر تم اس کو جھٹلاتے ہو) تو اللہ کے پاس سے کوئی اور کتاب لاؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو میں اسی کی پیروی کروں گا، اگر تم سچے ہو۔)

ثانیاً: تورات کا نزول انسانی تاریخ کا ایک مہتم بالشان واقعہ تھا:

یہاں یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ قرآن مجید کے بعض مقامات کے سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل انبیاے کرام کو وحی تو کی جاتی رہی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب الٰہی کا عطا کیا جانا اپنی نوعیت کا ایک منفرد واقعہ تھا اور بنی نوع انسان پر اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنا قانون وحی کے ذریعے انسانوں کو دے دیا۔ مثلاً سورۃ المؤمنون میں نوح علیہ السلام کی قوم اور قومِ عاد کی ہلاکت کے بعد دیگر ہلاک شدہ اقوام کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

"ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ. مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ "[۲۰]

(پھر ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں اٹھائیں۔ نہ کوئی قوم اپنے مقررہ اجل سے پہل ہی کرتی اور نہ وہ اس سے پیچھے ہی ہٹتی تھی۔)

اس کے بعد سلسلۂ رسالت کے ایک اور مرحلے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّ مَا جَاء أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ "[۲۱]

(پھر ہم نے اپنے رسول بھیجے مسلسل۔ جب بھی آیا کسی قوم کے پاس اس کا رسول تو انھوں نے اس کو جھٹلادیا۔ پس ہم نے ایک کے پیچھے دوسری قوم کو لگادیا اور ان کو افسانہ بنادیا۔ تو پھٹکار ہو ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔)

اس کے بعد سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام کی بعثت اور تورات کے نزول کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَى وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ. إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ. فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ. وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ"[۲۲]

(پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور واضح حجت کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تو انھوں نے تکبر کیا، اور وہ تھے نہایت مغرور لوگ۔ پس انھوں نے کہا کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں کی بات مان لیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہے؟ تو انھوں نے ان کو جھٹلا دیا اور وہ ہلاک ہو کر رہے۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تاکہ وہ راہ پائیں۔)

یہی حقیقت سورۃ القصص میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

"وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِن بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَى بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ"[۲۳]

(اور ہم نے اگلی امتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی لوگوں کے لیے بصیرتیں بخشنے والی اور ہدایت و رحمت بنا کر تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں۔)

ثالثاً: موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ کا کلام:

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بارہا "کلام" کیا، اور اسی کلام کو آپ کی امتیازی خصوصیت کے طور پر قرآن اور تورات دونوں نے بیان کیا۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل دوسرے انبیا کو بھی وحی کی جاتی رہی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ کا کلام کرنا اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ تھا جس طرح سیدنا داود علیہ السلام کو زبور کا عطا کیا جانا ایک منفرد نوعیت کا واقعہ تھا۔

"إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا. وَرُسُلاً قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا"[۲۴]

(ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد آنے والے نبیوں کی طرف وحی کی۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی۔ اور ہم نے داود کو زبور عطا کی۔ اور دوسرے بھی بہت سے رسولوں (پر وحی بھیجی جن) کا حال ہم تم کو پہلے سنا چکے ہیں اور بہت سے رسولوں کا حال ہم نے تمہیں نہیں سنایا۔ اور موسیٰ سے تو اللہ نے خصوصی طور پر کلام کیا۔)

بلکہ بعض مقامات پر تورات کے نزول کے موقع پر بھی اسی خصوصیت کا تذکرہ کیا گیا ہے:

"قَالَ يَا مُوسَى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالاَتِي وَبِكَلاَمِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ. وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلاً لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُواْ بِأَحْسَنِهَا سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ"[۲۵]

(اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں پر اپنے پیغام اور کلام سے سرفراز کیا۔ تو جو کچھ میں نے تم کو دیا اس کو لو اور شکر گزاروں میں سے بنو۔ اور ہم نے اس کے لیے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔ پس اس کو مضبوطی سے پکڑو اور اپنی قوم کو ہدایت کرو کہ اس کے بہتر طریقہ کو اپنائیں۔ میں تم کو عنقریب نافرمانوں کا ٹھکانہ دکھاؤں گا۔)

ایسی صورت میں یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ تورات بھی قرآن کی طرح "کلام اللہ" تھا۔

رابعاً: موسیٰ علیہ السلام پر مختلف اوقات میں نازل ہونے والی وحی:

اپنے ایک پچھلے مقالے میں ہم نے قرآن مجید سے متعدد ایسے شواہد نقل کیے ہیں جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی اترنے کا ذکر آیا ہے اور ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ان میں کئی مواقع ایسے ہیں جہاں وحی غیر متلو مراد لینا ممکن نہیں۔[۲۶]

خود مولانا سندھی یہ بات مانتے ہیں کہ موجودہ صحائف میں بعض مقامات لفظی وحی پر مبنی ہیں اور، جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا، شاہ ولی اللہ نے بھی کتبِ سابقہ کو "بہ استثنائے چند" حدیثِ قدسی کے مانند قرار دیا تھا۔ اگر یہ چند مقامات لفظی وحی پر مبنی ہیں تو باقی کتاب الٰہی کے وحی غیر متلو پر مبنی ہونے کے لیے کیا دلیل ہے؟ مولانا سندھی کے بیان سے اس مفروضے کی بنیاد یہ معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مجید نے ایک طرف تورات اور دیگر کتب سابقہ سے استدلال کیا ہے اور شواہد نقل کیے ہیں اور دوسری طرف کتب سابقہ میں تحریف کی بھی تصریح کرتا ہے۔ اس کی توجیہ بالعموم مسلمان اہلِ علم نے یہ کی ہے کہ تورات وحی لفظی پر مبنی تھی، جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کتاب کی شکل میں دے دیا مگر اس میں تحریف لفظی ہوئی؛ تاہم بعض مقامات اب بھی تحریف سے بچے ہوئے ہیں جنھیں تلاش اور جستجو سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

پس ہمارے نزدیک مولانا سندھی کا موقف "اصل تورات" کے متعلق صحیح نہیں ہے لیکن "موجودہ تورات"، یعنی اسفارِ خمسہ، کے متعلق بہت حد تک صحیح ہے۔ اس لیے ہم مولانا سندھی کے موقف میں یہ ترمیم تجویز کرتے ہیں کہ "اصل تورات" کے غالب حصے کے ضائع ہو جانے کے بعد مدونین نے جن روایات کو جمع کرکے "تورات" کا نام دیا ان میں "اصل تورات" کے حصے بھی پائے جاتے ہیں، اور اصل تورات کے متعلق بعض

اوقات ایک سے زائد روایات بھی مل جاتی ہیں جو باہم متصادم بھی ہوتی ہیں۔ اس اختلاف روایت کے حل کے لیے علوم الحدیث سے مدد لی جاسکتی ہے۔ اگر مولانا سندھی کے بیان کردہ اصول کی یہ تاویل کی جائے تو تورات کے منتشر اجزا کی دریافت اور اسفارِ خمسہ پر کی جانے والی تنقید کے حل میں اس اصول سے کافی مدد لی جاسکتی ہے۔

فصلِ دوم: مولانا ابوالاعلی مودودی کا نظریہ

تورات کے متعلق پچھلی سطور میں ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں مولانا ابوالاعلی مودودی کا موقف تقریباً یہی ہے۔

اسفارِ خمسہ میں تورات کے اجزا منتشر صورت میں پائے جاتے ہیں:

چنانچہ سورہ آل عمران کی تفسیر میں لفظ "تورات" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> دراصل تورات سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت موسی علیہ السلام کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً چالیس سال کے دوران میں ان پر نازل ہوئے۔ ان میں دس احکام تو وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کرکے انھیں دیے تھے۔ باقی ماندہ احکام کو حضرت موسی علیہ السلام نے لکھوا کر اس کی ۱۲ نقلیں بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں کو دے دی تھیں اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالے کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ اس کتاب کا نام "تورات" تھا۔ یہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی تباہی تک محفوظ تھی۔ اس کی کاپی جو بنی لاوی کے حوالے کی گئی تھی، پتھر کی لوحوں سمیت عہد کے صندوق میں رکھ دی گئی تھی اور بنی اسرائیل اس کو "تورات" ہی کے نام سے جانتے تھے۔ لیکن اس سے ان کی غفلت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ یوسیاہ کے عہد میں جب ہیکل سلیمانی کی مرمت ہوئی تو اتفاق سے سردار کاہن (یعنی ہیکل کے سجادہ نشین اور قوم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا) خلقیاہ کو ایک جگہ توریت رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے ایک عجوبے کی طرح اسے شاہی منشی کو دیا، اور شاہی منشی نے اسے لے جا کر بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا جیسے ایک عجیب انکشاف ہوا ہو۔ (ملاحظہ ہو ۲۔ سلاطین باب ۲۲، آیت ۸ تا ۱۳۔) یہی وجہ ہے کہ جب بخت نصر نے یروشلم فتح کیا اور ہیکل سمیت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو بنی اسرائیل نے تورات کے وہ اصل نسخے، جو ان کے ہاں طاق نسیاں پر رکھے ہوئے تھے اور بہت تھوڑی تعداد میں تھے، ہمیشہ کے لیے گم کردیے گئے۔ پھر جب عزرا کاہن (عزیر) کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بچے کھچے لوگ بابل کی اسیری سے واپس یروشلم آئے اور دوبارہ بیت المقدس تعمیر ہوا، تو عزرا نے اپنی قوم

کے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی جو اب بائبل کی پہلی ۱۷ کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس تاریخ کے چار باب یعنی خروج، احبار، گنتی اور استثنا حضرت موسی علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہیں، اور اس سیرت میں ہی تاریخ نزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کر دی گئی ہیں جو عزرا اور ان کے مددگار بزرگوں کو دستیاب ہو سکیں۔[۲۷]

اس بحث کا نتیجہ مولانا مودودی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

پس دراصل اب تورات ان منتشر اجزا کا نام ہے جو سیرت موسی علیہ السلام کے اندر بکھرے ہوئے ہیں ہم انھیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ اس تاریخی بیان کے دوران میں جہاں کہیں سیرت موسوی کا مصنف کہتا ہے کہ خدا نے موسی سے یہ فرمایا، یا موسی نے کہا کہ خداوند تمہارا خدا یہ کہتا ہے، وہاں سے تورات کا ایک جز شروع ہوتا ہے۔ اور جہاں پھر سیرت کی تقریر شروع ہو جاتی ہے وہاں وہ جز ختم ہو جاتا ہے۔ بیچ میں جہاں کہیں کوئی چیز بائبل کے مصنف نے تفسیر و تشریح کے طور پر بڑھادی ہے، وہاں ایک عام آدمی کے لیے یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہے کہ آیا یہ اصل تورات کا حصہ ہے یا شرح و تفسیر۔ تاہم جو لوگ کتب آسمانی میں بصیرت رکھتے ہیں وہ ایک حد تک صحت کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان اجزا میں کہاں کہاں تفسیری و تشریحی اضافے ملحق کر دیے گئے ہیں۔[۲۸]

باقی رہا یہ سوال کہ قرآن مجید کس تورات کی تصدیق کرتا ہے؟ تو مولانا مودودی اس کا جواب یہ دیتے ہیں:

قرآن انھی منتشر اجزا کو "تورات" کہتا ہے اور انھی کی وہ تصدیق کرتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان اجزا کو جمع کرکے جب قرآن سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو بجز اس کے کہ بعض بعض مقامات پر جزوی احکام کا اختلاف ہے، اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان یک سر مو فرق نہیں پایا جاتا۔ آج بھی ایک ناظر صریح طور پر یہ محسوس کر سکتا ہے کہ دونوں چشمے ایک ہی منبع سے نکلے ہوئے ہیں۔[۲۹]

مولانا مودودی کے نظریے کا خلاصہ ان نکات میں پیش کیا جا سکتا ہے:

۱۔ قرآن مجید کی طرح تورات بھی لفظاً و معناً وحی کی صورت میں نازل ہوا۔

۲. قرآن مجید کی طرح تورات کا نزول بھی تدریجاً ہی ہوا۔

۳. وقتاً فوقتاً نازل ہونے والی وحیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح ایک مختلف ترتیب سے مرتب فرمایا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کو مرتب کیا۔

۴. سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مرتب کردہ تورات کی نقول بنی اسرائیل کے ہر قبیلے کو دی گئیں مگر وہ ان سے غفلت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ یوسیاہ کے عہد میں ہیکل کی صفائی کے دوران میں خلقیاہ کاہن کو اسی تورات کا نسخہ ملا تھا۔ گویا ہیکل کی پہلی تباہی (۵۸۷ق م) تک اصل تورات محفوظ تھی، اگرچہ عام طور پر لوگوں کی نظروں سے اوجھل تھی۔

۵. ہیکل کی تباہی اور بنی اسرائیل کی بابل جلاوطنی کے بعد تورات کے اصل نسخے ختم کر دیے گئے البتہ تورات کے منتشر اجزا محفوظ رہے۔

۶. بابل جلاوطنی سے واپسی کے بعد عزرا اور ان کے ساتھیوں نے بنی اسرائیل کی تاریخ مرتب کی اور تورات کے منتشر اجزا کو بھی اسی تاریخ میں جگہ جگہ سمو دیا۔ پس موجودہ تورات، یا اسفار خمسہ، میں اصل تورات کے منتشر اجزا نزولی ترتیب سے موجود ہیں جنھیں تفسیری اور تشریحی اضافوں اور تاریخی بیانات سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

مولانا مودودی کے نظریے کا تنقیدی جائزہ:

ہمیں مولانا مودودی کے اس نظریے کے بنیادی مفروضات اور دعاوی سے اتفاق ہے۔ تاہم چند باتوں کی وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے:

اولاً: یہ کہ مولانا کے بیان سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ تورات محض "احکام کا مجموعہ" تھا۔ جیسا کہ ہم نے واضح کیا ہے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات میں احکام کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا۔ مثلاً اس میں سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل، سیدنا اسحاق، سیدنا یعقوب اور سیدنا یوسف علیہم السلام کی سیرت کے عبرت انگیز واقعات کے علاوہ سیدنا آدم، سیدنا نوح اور سیدنا لوط علیہم السلام اور قوم عاد و قوم ثمود کے واقعات بھی تھے جن سے مقصود تذکیر بایام اللہ تھا۔ مزید برآں تورات میں عقائد و ایمانیات اور اخلاق کے مباحث بھی تھے جنھیں قرآن نے موعظۃ کا نام دیا ہے۔ ہاں، یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ احکام کا حصہ نسبتاً زیادہ تھا جس کی وجہ سے اس مجموعے کو "تورات" کا نام دیا گیا لیکن احکام شریعت کے بیان میں اخلاق اور عقائد ساتھ ساتھ ہوتے تھے، جیسا کہ ہم قرآن مجید میں بھی دیکھتے ہیں۔

ثانیاً: یہ کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات صفحۂ ہستی سے بالکل ہی مٹ نہیں گئی، بلکہ اس کے کچھ حصے ضائع ہو گئے، کچھ میں تحریف و تبدل کیا گیا، اور کچھ محفوظ رہے لیکن ان محفوظ حصوں میں بہت سے حصے اس ترتیب پر باقی نہیں رہے جس ترتیب پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام انھیں چھوڑ گئے تھے۔

ثالثاً: یہ کہ موجودہ ترتیب میں اسفار خمسہ میں تورات کے منتشر اجزا تاریخی ترتیب میں موجود نہیں ہیں، بلکہ بسا اوقات احکام کی ترتیب میں تاریخی ترتیب کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ بالخصوص اسفار ثلاثہ۔ خروج، احبار اور گنتی۔ میں مذکور احکام پر غور کرنے سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ شان نزول کی روایات کی طرح ان روایات میں بھی تاریخی ترتیب کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس لیے تاریخی ترتیب معلوم کرنے کے لیے احکام کے مجموعوں کی اندرونی شہادتوں اور بعض دیگر بیرونی قرائن پر غور کرنا پڑے گا۔

رابعاً: مولانا مودودی نے یہاں سفرِ پیدائش کے متعلق اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا اور بظاہر لگتا ہے کہ وہ "تورات کے منتشر اجزا" کو اگلے چار اسفار — خروج، احبار، گنتی اور استثنا — میں محصور سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآن کریم نے کئی بار تورات کے بعض مقامات سے استشہاد کیا ہے اور وہ مقامات سفرِ پیدائش میں ہیں۔ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے نظریے پر تنقید میں اس کی کچھ مزید وضاحت آگے آئے گی۔

خامساً: تین اسفار — خروج، احبار اور گنتی — میں، جنھیں مولانا مودودی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی سیرت قرار دیتے ہیں، "تورات کے منتشر اجزا" یقیناً موجود ہیں لیکن آخری صحیفے — سفرِ استثنا — کی حیثیت مختلف معلوم ہوتی ہے۔ اپنے اسلوب، مضامین اور ذخیرۂ الفاظ، ہر زاویے سے یہ صحیفہ ان اسفار سے زیادہ اسفارِ انبیا سے مشابہت رکھتا ہے اور اس وجہ سے مغربی محققین نے بھی اس کی الگ حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ بلکہ جناب غامدی صاحب تو اسی صحیفے کو تورات قرار دیتے ہیں۔ اس نکتے پر مزید بحث غامدی صاحب کے نظریے کے جائزے میں کی جائے گی۔

فصلِ سوم: مولانا امین احسن اصلاحی کا ابتدائی نظریہ

مولانا امین حسن اصلاحی ابتدا میں اس کے قائل تھے کہ تورات پوری کی پوری یکبارگی نازل ہوئی تھی۔ اپنے اس موقف کا انھوں نے تفصیلی اظہار "مبادیِ تدبر قرآن" میں کیا۔[۳۰]

تورات کے قانون کو اسفارِ انبیا کی حکمت کے ساتھ سمجھنا چاہیے:

چنانچہ قرآن کے مقصد نزول پر بحث کرتے ہوئے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۹ سے استدلال کرتے ہوئے مولانا اصلاحی چار مقاصد متعین کرتے ہیں: تلاوتِ آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت۔[۳۱] اس ضمن میں وہ اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ "کتاب" سے مراد قرآن مجید اور "حکمت" سے مراد سنت ہے۔ وہ یہ ثابت کرنے کے لیے تفصیلی دلائل دیتے ہیں کہ اس آیت میں "کتاب" سے مراد الٰہی قانون ہے۔[۳۲] اس کے بعد

وہ یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ اس آیت میں "حکمت" سے صرف سنت مراد لینا صحیح نہیں، اگرچہ سنت حکمت کے مفہوم میں داخل ہے۔[۳۳] اس کے بعد لفظ حکمت کی لغوی تحقیق اور قرآن مجید اور کلام عرب میں اس کے استعمالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حکمت اس قوت کو کہتے ہیں جو صحیح فیصلے کا سرچشمہ ہے اور یہ کہ حکمت، کلام اور متکلم دونوں میں پائی جاتی ہے۔[۳۴] "جب یہ کسی کلام میں پائی جاتی ہے تو وہ کلام عقل کی راہ سے دل میں اتر جاتا ہے، ہر وسوسہ کو مٹا دیتا ہے، ہر شبہ کو دھو دیتا ہے، ہر دعوی کو باطل کر دیتا ہے، ہر جھوٹی منطق کو منہدم کر دیتا ہے۔"[۳۵] اس بحث کا خلاصہ وہ یہ نکالتے ہیں کہ قرآن مجید قانون اور حکمت دونوں پر مشتمل ہے۔ یہاں سے وہ اس بات پر بحث شروع کرتے ہیں کہ قرآن مجید انجیل کے متعلق کہتا ہے کہ وہ حکمت پر مشتمل تھی، لیکن تورات کی صفات میں اس نے حکمت کا حوالہ کبھی نہیں دیا، اگرچہ "موعظت" کا ذکر کرتا ہے:[۳۶]

> اب سوال یہ ہے کہ موعظت کیا ہے؟ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے موعظت حکمت کی ایک شاخ ہے، عین حکمت نہیں ہے۔ حکمت موعظت سے بہت بلند چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ انھی اشخاص یا انھی جماعتوں کو ملتی ہے جو عقل کی پوری پختگی کو پہنچ گئے ہوں۔ جب تک کوئی قوم ذہنی اعتبار سے عہد طفولیت میں ہوتی ہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کو حکمت سے نہیں سرفراز فرماتا، بلکہ زندگی کو ٹھیک طور پر بسر کرنے کے لیے اس کو ایک ضابطۂ شریعت عنایت فرماتا ہے، اور فکر و نظر کی معمولی لغزشوں سے بچنے کے لیے اس کو بقدر فہم و استعداد موعظت بخشی جاتی ہے[۳۷]۔۔۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو انبیا آئے انھوں نے آہستہ آہستہ بنی اسرائیل کو کسی قدر حکمت سے آشنا کرنا چاہا، لیکن انھوں نے قدر نہیں کی۔ یہاں تک حضرت عیسی علیہ السلام آئے جن کو اللہ تعالیٰ نے صحیفۂ حکمت عنایت فرمایا تھا لیکن، جیسا کہ خود ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، اس وقت تک بھی بنی اسرائیل کی ذہنی استعداد کامل حکمت کے تحمل کے لائق نہ ہوئی تھی[۳۸]۔۔۔اور کامل حکمت کی تعلیم کا معاملہ اپنے بعد آنے والے پر چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔[۳۹]

اس کے بعد اس ساری بحث سے تورات کے یکبارگی نزول کے لیے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> یہ بعد میں آنے والا جب آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک ایسی کتاب سے سرفراز فرمایا جو تورات کی طرح صرف قانون ہی نہیں ہے، بلکہ انجیل کی طرح اس میں حکمت و موعظت بھی ہے، اور حکمت کا وہ حصہ بھی اس میں ہے جس کی تعلیم حضرت مسیح علیہ السلام نے قوم کی عدم صلاحیت کی وجہ سے ملتوی کر دی تھی۔ کتاب اور حکمت کا

یہی مجموعہ ہے جس کو ہم قرآن کے نام سے جانتے ہیں۔ چونکہ یہ کامل حکمت سے معمور ہے اس وجہ سے اس میں کمال و عرفان کی وہ تمام تجلیاں بھی بند ہیں جن کی ایک ادنی نمود نے طور کو پاش پاش اور حضرت موسی علیہ السلام کو بیہوش کر دیا تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی رحمت مقتضی ہوئی اس نے ایک ایسے انسان کو پیدا کیا جس نے وہ بوجھ اٹھا لیا جو طور برداشت نہ کر سکا تھا۔ سورۂ حشر کی یہ آیت قرآن حکیم کی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے:

"لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ"۔ (الحشر، آیت ۱۲)

(اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ خشیت الٰہی سے پست اور پاش پاش ہو جاتا۔)

یہی راز ہے کہ تورات کا بیک دفعہ نازل ہونا تو ممکن ہوا لیکن قرآن حکیم بیک دفعہ نہیں بلکہ تھوڑا تھوڑا نازل ہوا تاکہ قلب انسانی تدریجی تربیت کے ذریعہ سے آہستہ آہستہ ان تجلیوں کو برداشت کرنے کے قابل ہو جائے اور ان کو اپنی گرفت میں لے سکے۔"[40]

مولانا اصلاحی کے اس نظریے کا تنقیدی جائزہ:

مولانا اصلاحی نے یہاں کئی اہم نکات اٹھائے ہیں جن سے موجودہ تورات اور دیگر اسفارِ انبیا کا تعلق بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

اسفارِ خمسہ اور دیگر صحف کا باہمی تعلق:

یہ بات کئی مغربی محققین نے بھی واضح کی ہے کہ اسالیب، مضامین اور ذخیرۂ الفاظ کے لحاظ سے سِفرِ یشوع کی مشابہت سِفرِ استثنا سے بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ کئی محققین نے یہ رائے اختیار کی کہ سفرِ یوشع بھی دراصل اسفارِ خمسہ ہی کا حصہ ہے اور وہ "اسفارِ ستہ" (Hexateuch) کی اصطلاح استعمال کرنے لگے۔ بعض محققین نے اس نظریے کو سفرِ سموئیل تک وسعت دے کر "اسفارِ ثمانیہ" (Octateuch) کی اصطلاح وضع کر لی اور بعض نے اسے اور بھی وسعت دے کر سفرِ سلاطین بھی اس میں شامل کر لیا اور یوں "اسفارِ تسعہ" (Enneateuch) کی اصطلاح بھی استعمال ہونے لگی۔ چند اور محققین نے دعوی کیا کہ سفرِ استثنا کا تعلق اسفارِ اربعہ سے نہیں بلکہ اسفارِ

انبیاے سابقین سے ہے۔ چنانچہ انھوں نے "اسفار اربعہ" (Tetrateuch) کو الگ قرار دیا اور استثنا اور اسفار انبیائے سابقین کے لیے "استثنائی تاریخ" (Deuteronomic History) کی اصطلاح وضع کرلی۔[۴۱]

اسی طرح یہود کی زبانی روایت (Oral Tradition) پر تحقیق سے بھی بعض نہایت اہم حقائق سامنے آئے ہیں۔ عام طور پر معلوم ہے کہ یہودی علما نے سیدنا موسی اور سیدنا ہارون علیہما السلام اور دیگر مذہبی پیشواؤں کی طرف منسوب روایات کو، جن سے تورات کے کسی حکم کی توضیح ہوتی تھی، پہلے درس وتدریس کے ذریعے اور سینہ در سینہ روایت کے ذریعے اگلی نسلوں تک پہنچایا۔ اس کے علاوہ مقدمات کے فیصلوں کو بھی نظائر کی حیثیت دے دی گئی جنھیں بابل جلاوطنی کے دور میں ایک معیاری شکل بھی دے دی گئی۔[۴۲] ان نظائر اور دیگر زبانی تفسیری روایات اور احکامات کو ۲۰۰ء کے لگ بھگ ربی یہوداہ نے جمع کیا اور انھیں مِشنا (عربی مُثنّیٰ) کا نام دیا۔ گویا یہ تحریری قانون کے ساتھ متوازی قانون ہوا جس کے ذریعے تحریری قانون کی تکمیل اور توسیع ہوتی تھی۔[۴۳] مغربی محققین یہ بات بھی مانتے ہیں کہ بعض زبانی روایات تحریری روایات سے زیادہ قدیم ہیں۔[۴۴] اب بعض محققین تحریری دستاویزات کے پیچھے جاکر زبانی روایات، جو تحریری روایات سے قدیم ہیں، ڈھونڈنے کی کوشش بھی کرتے نظر آتے ہیں۔[۴۵]

ایک یہودی ربی رونالڈ سوبل اسفارِ خمسہ اور دیگر اسفار کے تعلق اور "تورات" کے مفہوم پر بحث کرتے ہوئے پہلے مخصوص اصطلاحی مفہوم میں تورات کی درج ذیل تعریف پیش کرتے ہیں:

> Defined in the narrowest sense, the Torah is the scroll of parchment, housed in the Ark of every synagogue, upon which is inscribed the first five books of the Bible in Hebrew.
>
> (مخصوص ترین تعریف کی رو سے تورات چمڑے کے اس طومار کا نام ہے جو ہر یہودی عبادت گاہ میں (عہد) کے صندوق میں رکھا ہوا ہوتا ہے جس پر بائبل کی پہلی پانچ کتابیں عبرانی میں لکھی ہوتی ہیں۔)[۴۶]

واضح رہے کہ ہمارے نزدیک یہ تورات کی نہیں بلکہ اسفارِ خمسہ کی تعریف ہے۔ بہر حال ربی رونالڈ اس کے بعد ایک اہم نکتے کی طرف آتے ہیں جو ہمارے موضوع سے براہِ راست متعلق ہے:

> The remaining books of the Hebrew Bible, including the Prophets and the Writings (wisdom literature), while not Torah in the technical sense, are Torah in the spirit of teaching, guidance, law and morality. Likewise, the Talmud, the Midrash, the Responsa literature, the Rabbanic Codes, and even the writings of medieval Jewish philosophers must all be considered part of the great spiritual and moral phenomenon known as Torah.

(عبرانی بائبل کے باقی صحیفے، بشمول اسفارِ انبیا و نوشتوں (اسفارِ حکمت) کے، گو اصطلاحی مفہوم میں تورات نہیں لیکن روح تعلیم، ہدایت، قانون اور اخلاق کے لحاظ سے تورات ہیں۔ اسی طرح تلمود، مدراش، فتاوی،[۴۷] رِبّیوں کے مجموعے، یہاں تک کہ قرونِ وسطی کے یہودی فلاسفہ کی تحریرات کو بھی اس عظیم روحانی اور اخلاقی عمل کا حصہ سمجھنا لازمی ہے جسے تورات کہا جاتا ہے۔)[۴۸]

چنانچہ مولانا اصلاحی کا بیان کردہ یہ اصول نہایت اہم ہے کہ اسفارِ خمسہ میں موجود قانون کے فہمِ صحیح کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اسفارِ انبیا اور اناجیل میں مذکور حکمت کو مدِ نظر رکھا جائے۔[۴۹] تاہم جہاں تک اس بحث سے "تورات" کے یکبارگی نزول کے لیے استدلال کا تعلق ہے تو کئی وجوہ سے یہ استدلال ناقابلِ قبول ہے۔

اولاً: تورات میں "کامل حکمت" نہ ہونے سے اس کا یکبارگی نزول ثابت نہیں ہوتا:

مولانا اصلاحی مانتے ہیں کہ تورات میں حکمت کا کچھ حصہ تو بہر حال تھا لیکن وہ "کامل حکمت" پر مشتمل نہیں تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ تورات یکبارگی نازل ہوئی؟ ان دونوں امور میں لزوم کا تعلق کیسے ثابت ہوا؟ اگر تورات صرف الٰہی قانون پر مشتمل ہوتی تب بھی اس کا یکبارگی نزول حکمتِ خداوندی کے تقاضوں کے خلاف ہوتا۔ آخر صرف قانون کا دیا جانا ہی تو مقصود نہیں تھا، بلکہ اس پر عمل کرانا بھی مقصود تھا اور اس قانون کے ذریعے ہی فرد اور معاشرے کا تزکیہ مقصود تھا۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ پورا کا پورا قانونی ضابطہ ایک ہی موقع پر قوم کو دے دیا جاتا، بالخصوص جب مولانا اصلاحی یہ بھی قرار دیتے ہیں کہ اس قوم کی ذہنی استعداد پختہ نہیں تھی؟

ثانیاً: تورات میں قانون کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا:

مولانا اصلاحی یہ بھی مانتے ہیں کہ تورات میں قانون کے علاوہ "موعظت" تھی، جو حکمت ہی کی ایک شاخ تھی لیکن "کامل حکمت" نہیں تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس موعظت کے ضمن میں کیا کیا کچھ آتا تھا؟ قرآن کریم میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مختلف اوقات میں کی جانے والی وحی کا ذکر موجود ہے اور ان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تورات میں نہ صرف توحید، آخرت اور رسالت کے عقیدے کی تفصیلات کے علاوہ اخلاقیات کے متعلق تمام بنیادی مباحث موجود تھے۔ نیز اس میں پچھلی اقوام اور بالخصوص فرعون کے انجام سے حاصل ہونے والے دروس کے ذریعے "تذکیر" بھی تھی۔

چنانچہ قرآن کریم نے تصریح کی ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعے یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ تذکیر بأیام اللہ کے ذریعے بنی اسرائیل کے مردہ تن میں نئی روح پھونک دیں۔

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ"[۵۰]

(اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالو، اور ان کو خدا کے یادگار دنوں کی یاد دلاؤ۔ بے شک ان کے اندر ثابت قدم رہنے والوں اور شکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔)

اسی طرح قرآن نے واضح کیا ہے کہ فرعون کی ہلاکت اور صحراے سینا میں بنی اسرائیل پر بے شمار نعمتوں کے نزول کے بعد وحی آئی:

"يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى. كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَى. وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى"[۵۱]

(اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور طور کے دائیں جانب تمہاری حاضری کے لیے وقت مقرر کیا، اور تم پر من و سلویٰ اتارا۔ کھاؤ ہمارا دیا ہوا پاک رزق اور سرکشی نہ کرو، ورنہ تم پر میرا غضب ٹوٹ پڑے گا۔ اور جس پر میرا غضب ٹوٹا وہ پھر گر کر ہی رہا۔ البتہ جو توبہ کر لے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھا چلتا رہے تو اس کے لیے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں۔)

اسی طرح قرآن مجید نے مختلف مقامات پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے مختلف واقعات سے استشہاد کیا ہے۔ بعض جگہ اشارات میں بتایا ہے کہ یہ باتیں بنی اسرائیل کو معلوم ہیں اور بعض مقامات پر تصریح کی ہے کہ یہ باتیں تورات میں موجود ہیں۔ [۵۲]اسی طرح قرآن مجید سیدنا آدم، سیدنا نوح، سیدنا لوط، سیدنا اسماعیل، سیدنا اسحاق، سیدنا یعقوب اور سیدنا یوسف علیہم الصلوۃ والسلام کے متعلق یہود میں رائج کئی غلط روایات کی تصحیح کرتا ہے۔ ان روایات میں بیشتر اسفارِ خمسہ، بالخصوص سِفرِ پیدائش، میں موجود ہیں۔ [۵۳]قرآن مجید یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو شکر اور ناشکری دونوں کے نتائج سے خبردار کر دیا تھا:

"وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ"[۵۴]

(اور یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں مزید نعمتیں دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔)

سِفرِ استثنا کا مرکزی مضمون ہی یہی ہے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے۔[۵۵]

یہ ساری موعظت اور حکمت مولانا اصلاحی کے اصول پر ہی اس بات کی متقاضی تھی کہ اس کی تعلیم و تربیت کے مراحل تدریجاً طے پاتے۔

ثالثاً: اللہ تعالیٰ کے قانون کا ایک بنیادی مقصد تزکیہ ہوتا ہے جس کے لیے تدریج ہی مناسب تھی:

تورات کا غالب حصہ "قانون" پر مبنی تھا لیکن وہ عام معنوں میں قانون کی کتاب نہیں تھی۔ خود مولانا اصلاحی قرآن کی آیات الاحکام کے متعلق لکھتے ہیں:

> شرائع کا اصل مقصد تزکیہ اور ایمان و تقویٰ کی روشنی کو بڑھانا ہے۔۔۔ اگر شرائع اور قوانین اس مقصد سے محروم ہو جائیں، یعنی ان سے تزکیہ اور تقویٰ نہ حاصل ہو سکے اور ایمان کی روشنی نہ بڑھے تو پھر یہ بالکل بے سود ہو جاتے ہیں۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں احکام و قوانین کا بیان اس طرح نہیں ہوتا جس طرح فقہ و قانون کی عام کتابوں میں ہوتا ہے۔ قرآن ہر حکم کے آگے پیچھے خدا کی صفتوں اور آخرت کی بار بار یاددہانی کراتا ہے اور اس کے روحانی و اخلاقی نتائج اور اجتماعی و تمدنی فوائد ایسے دلنشین انداز میں پیش کیے جاتے ہیں کہ دل پر ان احکام کا اثر پڑتا ہے۔[۵۶]

ظاہر ہے کہ یہی مقصد تورات میں مذکور شرائع کا بھی تھا۔ اس لیے یہی اسلوب تورات کے آیات احکام کا بھی رہا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ مقصد اس صورت میں زیادہ بہتر طریقے سے حاصل ہو سکتا تھا کہ پورا قانون یکبارگی دے دیا جاتا، یا اس کے حصول کے لیے زیادہ بہتر طریقہ تدریجی نزول ہی کا تھا؟

فصلِ چہارم: مولانا اصلاحی کا دوسرا نظریہ

مولانا اصلاحی نے خود بعد میں اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور بڑی شدت سے اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ تورات، بلکہ تمام کتب سابقہ، کا نزول تدریجی طور پر ہوا تھا۔ اس رائے کا اظہار انھوں نے سورۃ الفرقان کی تفسیر میں کیا ہے۔[۵۷]

قرآن کی طرح تورات کا نزول بھی تدریجاً ہوا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا"[۵۸]

(ان کافروں نے کہا: اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا؟ ہم نے ایسا ہی کیا تاکہ اس کے ذریعے ہم تمھارا دل مضبوط کر دیں اور اسی وجہ سے ہم نے اسے الگ الگ کرکے خاص اہتمام سے اتارا۔)

اس کی تفسیر میں مولانا اصلاحی کہتے ہیں:

یہ امر ملحوظ رہے کہ آسمانی صحائف میں سے کوئی صحیفہ بھی بیک دفعہ نہیں نازل ہوا ہے۔ جن لوگوں نے یہ خیال کیا ہے ان کا خیال ان صحائف سے بے خبری پر مبنی ہے۔ تورات بھی پوری کی پوری بیک دفعہ نہیں نازل ہوئی۔ بیک دفعہ اس کے صرف احکام عشرہ نازل ہوئے ہیں، جو الواح میں لکھ کر حضرت موسی علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ لیکن تورات صرف احکام عشرہ ہی پر تو مشتمل نہیں ہے۔ اس میں تو شریعت موسوی کے تمام احکام و قوانین ہیں جو حضرت موسی علیہ السلام کی پوری زندگی میں درجہ بدرجہ نازل ہوئے۔ ان میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن کے متعلق قرآن اور تورات میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ حضرت موسی علیہ السلام کی ہجرت سے پہلے نازل ہوئے ہیں۔ بہت سے احکام دریا کے عبور کے بعد، یا صحراے سینا کی زندگی کے دور میں نازل ہوئے ہیں۔ اسی طرح انجیل تمام تر سیدنا مسیح علیہ السلام کے مواعظ حکمت پر مشتمل ہے، جو مختلف مواقع پر، حسب اقتضائے حالات آپ پر نازل ہوئے، اور آپ نے ان سے اپنی قوم کو انذار کیا۔ یہی حال زبور کا ہے۔ یہ حضرت داود علیہ السلام کی منظوم مناجاتوں اور تلقینات پر مشتمل ہے، جو وقتاً فوقتاً آپ پر القا ہوئیں۔ غرض یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ ان میں سے کوئی کتاب بھی بیک دفعہ، مابین الدفتین، نازل ہوئی۔ آخر ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا؟ حضرات انبیاء علیہم السلام کوئی مصنف نہیں تھے کہ پوری کی پوری کتابیں لکھ کر ایک ہی دفعہ لوگوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیں۔ وہ داعی، معلم اور مزکی ہوتے تھے۔ انھیں ایک پوری مریض قوم کا علاج اور تزکیہ کرنا ہوتا تھا۔ ان کے اس فرض منصبی کا فطری اور قدرتی تقاضا یہ تھا کہ وہ اس اصلاح کی راہ میں تدریج کے ساتھ قدم آگے بڑھائیں اور ہر قدم پر ضرورت کے مطابق ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی حاصل ہو۔ جہاں تک مجھے علم ہے، علمائے اہل کتاب بھی اپنی کتابوں میں سے کسی کتاب کے بیک دفعہ نازل ہونے کے مدعی نہیں ہیں، اور اگر

کوئی ہے تو اس کا دعوی خود اس کی کتاب کی تصریحات کے صریح خلاف ہے۔ ہمارے مفسرین یہ بات جو لکھتے ہیں کہ تورات، زبور اور انجیل بیک دفعہ نازل ہوئی ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔[۵۹]

ہمیں مولانا اصلاحی کی اس رائے سے ایک تحفظ کے ساتھ اتفاق ہے۔ تورات محض ان احکام کا مجموعہ نہیں تھا جو وقتاً فوقتاً حضرت موسی علیہ السلام پر نازل ہوئے، بلکہ، جیسا کہ پیچھے واضح کیا گیا، اس میں احکام کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا جو احکام ہی کی طرح تدریجاً نازل ہوا۔

اگلی کتابوں کی تصدیق کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن اگلی کتابوں کی پیش گوئیوں کا مصداق بن کر آیا ہے:

قرآن مجید اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ لیکن اس تصدیق کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ مولانا اصلاحی کہتے ہیں کہ قرآن اگلی کتابوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سچی کتابیں قرار دیتا ہے لیکن ساتھ ہی ان میں کی گئی تحریفات کا پردہ بھی چاک کرتا ہے:

جہاں تک تورات یا انجیل کے آسمانی صحیفے ہونے کا تعلق ہے، قرآن مجید آشکارا طور پر ان کے آسمانی ہونے کی تصدیق کرتا ہے، ان کے لانے والوں کی نبوت و رسالت کی بھی نہایت غیر مبہم الفاظ میں تصدیق کرتا ہے، ان کی تعلیمات کی بھی اصولی طور پر تصدیق کرتا ہے۔ قرآن اگر تردید کرتا ہے تو صرف ان چیزوں کی تردید کرتا ہے جو غلط طریقوں سے ان صحیفوں میں شامل کر دی گئی ہیں یا تحریف کر کے جن کی اصلی شکل بگاڑ دی گئی ہے۔[۶۰]

تاہم مولانا اصلاحی کہتے ہیں کہ مصدقا لما معکم کا "اصل مفہوم" یہ نہیں ہے کہ قرآن مجید اگلی کتابوں کو سچا مانتا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس قسم کے الفاظ قرآن کی حقانیت کی دلیل کے طور پر آئے ہیں، جبکہ اوپر مذکورہ مفہوم سے یہ دعوی ثابت نہیں ہو سکتا:

عام طور پر لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ قرآن چونکہ تورات کو ایک آسمانی کتاب تسلیم کرتا ہے اس وجہ سے قرآن بھی ایک آسمانی کتاب ہوا۔ یہ بات بالکل لایعنی ہے۔ قرآن اگر تورات کو ایک آسمانی کتاب مانتا ہے تو یہ تورات کے آسمانی ہونے کی ایک دلیل تو بے شک ہوئی لیکن اس سے قرآن کا آسمانی ہونا کیسے ثابت ہو جائے گا؟ قرآن کے آسمانی ہونے کی تصدیق تورات کی زبان سے تو اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کے اندر قرآن اور اس کے حامل سے متعلق پیشن گوئیاں ہوں، اور قرآن کے

نزول اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سے ان پیشن گوئیوں کی اس طرح تصدیق ہو جائے کہ کسی منصف کے لیے اس سے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے، بلکہ ہر دیانتدار اور غیر جانبدار آدمی پکار اٹھے کہ بے شک ان پیشن گوئیوں کا حقیقی مصداق سامنے آگیا اور اس مصداق نے ان پیشن گوئیوں کی تصدیق کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اسی پہلو سے پچھلے صحیفوں کا مصداق کہا ہے، نہ کہ اس پہلو سے جو لوگوں نے عام طور پر سمجھا ہے۔ قرآن ان صحیفوں کا آسمانی ہونا تو بے شک مانتا ہے لیکن ساتھ ہی ان کے محرف ہونے کا بھی اعلان کرتا ہے۔ اس وجہ سے یہ تصدیق مطلق نہیں بلکہ اس خاص مفہوم میں ہے جس کی ہم نے اوپر وضاحت کی ہے۔ اس مفہوم کے لیے لفظ تصدیق کا استعمال عربی میں معروف ہے۔"[61]

سورۃ آل عمران کی تفسیر میں مولانا اصلاحی نے لفظ "تصدیق" کے اس استعمال کے شاہد کے طور پر حماسی شاعر ابو الغول الطہوری کا یہ شعر نقل کیا ہے:

فدت نفسي وما ملكت يميني　　فوارس صدّقوا فيهم ظنوني

(میری جان اور میرا مال ان شہسواروں پر قربان جنھوں نے اپنے بارے میں میرے سارے گمان سچے ثابت کر دیے۔)[62]

فصل پنجم: جناب جاوید احمد غامدی کا نظریہ

مولانا اصلاحی نے اس بات پر روشنی نہیں ڈالی کہ مختلف اوقات میں نازل ہونے والی یہ وحی کیا اسی ترتیب سے جمع کی گئی جس ترتیب سے وہ نازل ہوئی یا قرآن مجید کی طرح اس کی آخری ترتیب بھی نزولی ترتیب سے مختلف تھی۔ تاہم مولانا اصلاحی کے شاگرد جناب جاوید احمد غامدی نے مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی کے نظریات کی تلفیق سے ایک تیسرا نظریہ تشکیل دینے کی کوشش کی ہے۔

سفر استثنا وہ تورات ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مرتب کرکے بنی اسرائیل کے حوالے کی:

اگست ۲۰۰۱ء میں اسلام آباد میں ایک بالمشافہ ملاقات میں جناب غامدی صاحب نے تورات کے متعلق اپنے نظریے کے جو نکات راقم الحروف کے سامنے واضح کیے، وہ یہ ہیں:

۱. قرآن مجید کی طرح تورات کی آیات کی آخری ترتیب بھی نزولی ترتیب سے مختلف تھی۔
۲. موجودہ تورات کے پہلے چار اسفار۔ پیدائش، خروج، احبار اور گنتی۔ میں سیدنا موسی علیہ السلام پر نازل ہونے والی وحی نزول کی ترتیب سے لکھی گئی ہے۔

۳. بعد میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی آیات کو ایک نئی ترتیب دے کر کتاب کی شکل میں بنی اسرائیل کے حوالے کیا۔

۴. یہ کتاب سِفر استثنا کی صورت میں اس وقت بھی دستیاب ہے۔

ان نکات کے سرسری جائزے سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ غامدی صاحب کا یہ نظریہ بنیادی طور پر مولانا مودودی ہی کے نظریے کی توسیع اور تہذیب ہے لیکن چونکہ دیگر مقامات پر تورات، اسفارِ انبیا اور اناجیل کے متعلق انھوں نے مولانا اصلاحی کی رائے اپنائی ہے،[۶۳] اس لیے ہم اسے مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے نظریات کی تلفیق مانتے ہیں۔

غامدی صاحب کے نظریے کا تنقیدی جائزہ:

ہمارے نزدیک سفرِ استثنا کی خصوصی حیثیت مسلّم ہے اور اس پر پیچھے تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔[۶۴] کئی مغربی محققین بھی اس کے قائل ہیں کہ ہیکل کی صفائی کے وقت یوسیاہ کاہن کو جو کتاب ملی تھی وہ سفرِ استثنا تھی۔ تورات پر تنقید کے سلسلے کی ابتدا میں ہی آج سے تقریباً سوا دو سو سال قبل جرمن ماہرِ دینیات ویلیلم مارٹن ڈے ویٹ (م ۱۸۴۹ء) نے ۱۸۰۵ء میں یہ دعویٰ کیا تھا اور اس کے بعد بھی کئی لوگوں نے یہ رائے اختیار کی ہے۔[۶۵] غامدی صاحب کا اضافہ اس میں یہ ہے کہ انھوں نے قرآن کریم کی موجودہ ترتیب اور ترتیبِ نزولی کے قیاس پر اسفارِ خمسہ میں پہلے چار اسفار کو ترتیبِ نزولی اور سفرِ استثنا کو ترتیبِ توقیفی قرار دیا۔ یہ ایک دلچسپ اضافہ ہے لیکن کئی وجوہات سے اس انتناج کو اس صورت میں قبول نہیں کیا جا سکتا اور اس کی تقیید اور تحدید کی ضرورت ہے۔

اولاً: سِفرِ استثنا بنیادی طور پر احکام کی کتاب ہے۔ تورات کے باقی مباحث، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، اس صحیفے میں موجود نہیں ہیں۔ اس لیے صرف سفرِ استثنا کو تورات نہیں کہا جا سکتا۔ اس نکتے کی وضاحت پیچھے ہو چکی ہے۔

ثانیاً: انجیل میں بسا اوقات سیدنا مسیح علیہ السلام تورات سے استدلال کرتے نظر آتے ہیں مگر متعلقہ آیات استثنا کے بجائے دیگر اسفار میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً جب آپ پر اعتراض کیا گیا کہ آپ سبت کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

> تم نے توریت میں نہیں پڑھا کہ کاہن سبت کے دن ہیکل میں سبت کی بے حرمتی کرتے ہیں اور بے قصور رہتے ہیں۔[۶۶]

یہ اشارہ سِفرِ احبار باب ۲۴ آیات ۵ تا ۹ میں مذکور احکام کی طرف ہے۔ اسی طرح جب آپ سے طلاق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جس نے انھیں بنایا اس نے ابتدا ہی سے انھیں مرد اور عورت بنا کر کہا کہ اس سبب سے مرد باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا، اور وہ دونوں ایک جسم ہوں گے۔[۶۷]

یہ اشارہ سِفر پیدائش باب ۱، آیت ۲۷ اور باب ۲ آیت ۲۴ کی طرف ہے۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کے استشہاد کا لازمی مطلب یہ ہے کہ وہ تورات کو استثنا تک محدود نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک اس کا کچھ حصہ استثنا سے باہر دیگر اسفار میں بھی تھا۔

ثالثاً: اس سے بڑھ کر اہم بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے کئی مقامات پر تورات کی آیات سے استدلال کیا ہے اور وہ آیات استثنا کے بجائے دیگر اسفار میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً صفا و مروہ کو شعائر اللہ قرار دینے کے بعد کہا گیا کہ اس کے متعلق واضح نشانیاں "الکتاب" میں موجود ہیں مگر اہل کتاب انھیں چھپانے کی کوششیں کرتے ہیں:

"إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلعَنُهُمُ اللهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ"[۶۸]

(بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ہماری اتاری ہوئی کھلی کھلی نشانیوں اور ہماری ہدایت کو، بعد اس کے کہ ہم نے وہ کتاب میں کھول کر لوگوں کے لیے بیان کر دی تھیں، تو وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور جن پر لعنت کرنے والے لعنت کریں گے)

صفا و مروہ کے متعلق یہ نشانیاں، جنھیں اہل کتاب چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، سِفر پیدائش میں ہیں۔

رابعاً: جناب غامدی کا یہ موقف بھی ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے کہ اسفار اربعہ میں تورات کی آیات نزولی ترتیب سے موجود ہیں۔ اس کی بہ نسبت زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ انھیں شانِ نزول کی روایات سے مشابہ قرار دیا جائے۔ اس زاویے سے اسفارِ اربعہ کی روایات کی تحقیق کے ضمن میں قرآن کریم کی آیات کے شانِ نزول پر علمائے محققین کے کام سے بہت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس نکتے کی کچھ تفصیل ضروری معلوم ہوتی ہے۔

شانِ نزول کی روایات کے متعلق بنیادی اصول:

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ کبھی آیات کی اندرونی شہادت یہ ہوتی ہے کہ ان کا نزول مکہ میں ہوا تھا لیکن شان نزول کی روایت میں مدنی دور کا واقعہ ذکر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس ہوتا ہے۔ طرح بعض اوقات سورت کے نظم کی گواہی یہ ہوتی ہے کہ پوری سورت بیک وقت نازل ہوئی مگر روایات میں بعض آیات کا الگ الگ شان نزول ذکر ہوتا ہے۔ کبھی ایک ہی سورت کے متعلق شان نزول کی بہت سی روایات مل جاتی ہیں اور بعض اوقات تو ایک ہی آیت کے کئی اسباب نزول ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس قسم کی الجھنوں کے حل کے

لیے شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۷۰۷ء) نے جو تحقیق اپنے رسالے الفوز الکبیر فی اِصول التفسیر میں پیش کی ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

صحابہ کرام اور دیگر متقدمین علما جب نزلت فی کذا اور اس قسم کی دیگر تراکیب استعمال کرتے تھے تو ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ بعینہٖ وہی واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب بنا جو اس روایت میں بیان ہوا، بلکہ بعض اوقات ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ عہد نبوی یا اس کے بعد کا یہ واقعہ بھی اس آیت کا مصداق ہے۔ کبھی صحابہ کوئی سوال کرتے اور رسول اللہ ﷺ پہلے ہی سے نازل شدہ کسی آیت سے اس کا حکم مستنبط کرکے بیان فرمادیتے۔ رسول اللہ ﷺ کا استنباط بھی دراصل وحی، القا اور نفث فی الروع کی قسم ہوتی اس لیے اس طرح کے موقع پر فانزل اللہ تعالی قولہ کے الفاظ کا استعمال جائز ہوتا۔ کبھی صحابۂ کرام کے باہمی مباحثوں میں آیات سے استشہاد ہوتا یا بطور تمثیل ان کا ذکر ہوتا۔ اس قسم کی روایات کو بھی مفسرین اسباب نزول میں ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح صحابۂ کرام یہود، نصاری، مشرکین اور دوسرے فرق ضالہ کی اعتقادی اور عملی برائیاں بیان کرکے کسی آیت کی تلاوت کرتے اور کہتے کہ نزلت فی کذا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ بعینہٖ یہی اعمال و عقائد ان آیات کے نزول کا سبب بنے، بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ اسی قسم کے عقائد او اعمال کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یہ آیات ان عقائد اور اعمال پر بھی منطبق ہوتی ہیں۔ اسی طرح کبھی قرآن مجید میں اچھے اور برے لوگوں کی صفات بیان کی جاتی ہیں۔ ان صفات کا کسی خاص شخص یا اشخاص سے مخصوص کرنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ عام طور پر جن میں بھی وہ صفات ہوں، وہ ان آیات کے مصداق شمار ہوں گے۔ فی الجملہ مفسر کے لیے دو چیزوں کی معرفت ضروری ہے: ایک وہ واقعات جن کی طرف آیات میں اشارہ ہو کیونکہ ان کے علم کے بغیر آیات کے ایما کو سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔ دوسرے وہ واقعات جن سے عام کی تخصیص ہوتی ہو یا اور کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ اس مؤخر الذکر اصول کو شاہ ولی اللہ علم توجیہ اور تاویل سے متعلق کردیتے ہیں۔[۶۹]

شاہ صاحب کی رائے کوئی انوکھی یا منفرد رائے نہیں ہے، بلکہ یہی رائے دیگر محققین علما نے بھی اختیار کی ہے۔[۷۰] اس نوعیت کی تحقیق اسفارِ اربعہ میں موجود روایات پر کی جائے تو بہت سی الجھنوں کا حل مل سکتا ہے۔

نتائجِ بحث:

تورات کے نزول اور تدوین کے متعلق مسلمان اہل علم کی آرا کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ہم جن نتائج تک پہنچ چکے ہیں ان کا یہاں مختصر اعادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱. تورات کا نزول قرآن مجید ہی کی طرح تدریجاً ہوا۔ سیدنا موسی علیہ السلام پر وقتاً فوقتاً حالات کی مناسبت سے وحی کا نزول ہوتا رہا، بعینہٖ اسی طرح جیسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے موافق حال وحی قرآن مجید کی مختلف سورتوں اور آیات کی شکل میں نازل ہوتی رہی۔ جس طرح پیغمبرانہ ذمہ داری کے آخری مرحلے میں

رسول اللہ ﷺ نے کتاب الٰہی کو ایک نئی ترتیب کے ساتھ مدون کیا، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخر کار تورات کو کتابی شکل دے کر بنی اسرائیل کے سپرد کردیا۔ اس کتاب کے احکام کا غالب حصہ موجودہ سِفر استثنا میں پایا جاتا ہے، لیکن تورات کے دیگر مباحث کا غالب حصہ اور بہت سے احکام سِفر استثنا میں موجود نہیں ہے۔

۲. سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات کا اصل نسخہ ہیکل کی تباہی (۵۸۷ ق م) تک محفوظ رہا لیکن بنی اسرائیل کی اکثریت اس کو فراموش کرچکی تھی۔ تورات کے احکام اور "شریعت" کا حصہ تو کسی نہ کسی صورت میں بنی اسرائیل افراد اور معاشرے میں نافذ رہا لیکن اس شریعت کی روح۔ حکمت اور موعظت۔ اکثر ان کی نظروں سے اوجھل رہی۔ اسی حکمت اور موعظت کی یاددہانی کے لیے انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور یوں تورات کی "شریعت" کے ساتھ "اسفارِ انبیا" اور "اسفارِ حکمت" کا اضافہ ہوتا گیا۔

۳. ہیکل کی تباہی اور بنی اسرائیل کی بابل جلاوطنی کے بعد تورات کا بہت سا حصہ ضائع ہوگیا، لیکن احکام کا غالب حصہ، جو اب سِفر استثنا میں ہے، محفوظ رہا۔ فلسطین میں دوبارہ قیام کے بعد تورات کو از سر نو مدون کرنے کی کوشش کی گئی تو زیادہ توجہ احکام ہی کے حصے کی طرف رہی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے قبل گزرنے والے انبیا کے متعلق تورات میں موجود مواد ضائع ہوچکا تھا اور اس کے متعلق باقی مواد کا غالب حصہ زبانی روایات پر مشتمل تھا۔ اسی طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا غالب حصہ بھی زبانی روایات پر مشتمل تھا۔ عقائد، ایمانیات اور اخلاقیات کے مباحث کے متعلق اکادکا روایات ہی دستیاب تھیں۔ البتہ یہ مباحث انبیا کے صحائف میں تفصیل کے ساتھ موجود تھے۔ ان زبانی روایات اور کچھ تحریری یاداشتوں کو مرتب کیا گیا تو موجودہ اسفار خمسہ وجود میں آگئے اور انھیں مجموعی طور پر تورات کا نام دیا گیا، حالانکہ درحقیقت ان میں تورات کا بہت سا حصہ موجود نہیں تھا۔ نیز بہت سا مواد ان میں ایسا تھا جو اصل تورات میں شامل نہیں تھا۔

۴. جو زبانی روایات اسفار خمسہ میں شامل نہیں کی گئیں ان میں بھی بہت سی روایات اصل میں تورات کا حصہ تھیں۔ یہ زبانی روایات نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں۔ بعد میں ان میں کئی روایات نے "مشنا" اور پھر "تلمود" میں جگہ پالی۔ گویا تورات کا کچھ حصہ سفینوں کے بجاے سینوں میں منتقل ہوتا رہا اور بہت بعد میں تحریری شکل میں آگیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات قرآن و حدیث میں بیان شدہ واقعہ اسفارِ خمسہ کے بجائے تلمود میں مل جاتا ہے۔

۵. اسفارِ خمسہ میں اگرچہ بہت سار طب و یابس جمع کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود تورات کے مواد کی دریافت کے لیے اسفارِ خمسہ ہی اولین ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا سندھی کا بیان کردہ یہ اصول بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے کہ ان پر علوم الحدیث کے طرز پر تحقیق کی جائے۔ اسفارِ خمسہ کے مدونین نے کہیں تو کسی ایسی روایت کو تسلیم کیا ہے جسے مسترد کرنا چاہیے تھا؛ کہیں انھوں نے مختلف روایات میں جمع و تطبیق کی کوشش کی تو ایک نئی روایت وجود میں آگئی؛ اور کہیں واقعے کے متعلق مختلف روایات میں ترجیح نہیں دے سکے تو سبھی روایات نقل کردیں۔ انبیائے بنی اسرائیل، بالخصوص سیدنا مسیح علیہ السلام، نے اس طرح کے کئی

اختلافات میں حق کی نشاندہی کی لیکن بنی اسرائیل میں اکثر لوگوں نے ان کی قدر نہیں کی۔ موجودہ اسفارِ انبیا اور اناجیلِ اربعہ سے مدد لے کر اسفارِ خمسہ کے کئی اختلافات کا حل ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید نے بھی ان میں سے بہت سے اختلافات کا فیصلہ کر دیا ہے۔ مسلمان اہلِ علم نے اختلاف روایت کی صورت میں جمع و تطبیق اور تاویل و ترجیح کے لیے جو اصول وضع کیے ہیں ان سے بھی اس قسم کے اختلافات کے حل کے لیے بہت مدد لی جا سکتی ہے۔

۶. اسی طرح مولانا مودودی کا بیان کردہ اصول بھی نہایت اہم ہے کہ اسفارِ خمسہ کے ان مقامات کو، جہاں کسی قول کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے، الگ کر کے ان کا تجزیہ کیا جائے تو اصل تورات کا کافی مواد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۷. اسفارِ خمسہ، بالخصوص پہلے چار اسفار، میں واقعات جس ترتیب سے درج کیے گئے ہیں اور احکام کے نزول کا جو موقع اور محل ذکر کیا گیا ہے، اسے بعینہٖ ماننا ضروری نہیں ہے، بلکہ روایت کی اندرونی شہادتوں اور بیرونی قرائن سے مدد لے کر صحیح موقع اور محل کا تعین کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں مسلمان اہل علم نے علم اسباب نزول پر جو تحقیق کی ہے وہ بے حد مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

۸. سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات کے ساتھ انبیا کے اسفار کا تعلق لازم و ملزوم کا تھا۔ بنی اسرائیل کے معاشرتی ڈھانچے کی تشکیل تورات نے کی تھی لیکن اس قالب کی روح اسفار انبیا میں ہی تھی۔ جب تورات کا وہ حصہ ضائع ہو گیا جس میں تذکیر بایام اللہ اور موعظۃ کے مباحث تھے، تو اسفار انبیا کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔ اسفارِ حکمت اور اسفارِ انبیا کی اصل اہمیت یہی ہے کہ ان کے ذریعے تورات کے ضائع شدہ حصوں کی کمی کسی حد تک پوری ہو گئی۔ اب گویا اسفارِ حکمت، اسفارِ انبیا اور اسفارِ خمسہ مل کر تورات کا اصل پیغام سامنے لاتے ہیں۔ یہود میں جن لوگوں نے کتابِ الٰہی کو اسفارِ خمسہ تک ہی محدود سمجھا، ان میں کئی اس گمراہی میں مبتلا ہو گئے کہ آخرت کی زندگی ہی کا انکار کر بیٹھے کیونکہ اسفارِ خمسہ میں آخرت کا ذکر شاید ہی کہیں ملے۔ اسی طرح سیدنا مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کی حیثیت مستقل شریعت کی نہیں تھی بلکہ وہ دراصل تورات کے قانون کی حکمت واضح کرتی تھیں۔ یوں گویا اسفارِ انبیا، اسفارِ حکمت اور اناجیلِ اربعہ کی اہمیت کے دو پہلو ہیں۔ ایک جانب ان میں تورات کی مختلف عبارات سے استدلالات ہوتے ہیں، ان کی طرف اشارات ہوتے ہیں اور ان کے اقتباسات ہوتے ہیں۔ دوسری طرف ان میں تورات کی تعلیمات کی صحیح تعبیر پیش کی جاتی ہے۔ پس یہ سب اسفارِ خمسہ کے ساتھ مل کر ایک اکائی کی صورت اختیار کرتے ہیں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International Licence.

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ محمد مشتاق احمد، "توریت کا نزول تدریجی ہوا یا یکبارگی؟" **تحقیقاتِ اسلامی**، علی گڑھ، ج ۳۱، ش ۳ (ستمبر ۲۰۱۲ء)، ۳۳-۵۶۔

Muhammad Mushtaq Ahmad, "Tawrayt kā Nuzūl tadrījī huwā yā yakbārgī" *Taḥqītā-e Islāmī,* Vol. 31: No.3 (2013), p. 33-56.

۲۔ برصغیر کے اہلِ علم میں اس موضوع پر کام کرنے والوں میں ایک اہم نام سر سید احمد خان (م ۱۸۹۸ء) کا ہے جنھوں نے "ملتِ اسلام پر" بائبل کی تفسیر لکھنے کی سعی بھی کی اور ان کے کام کا اثر یہاں کے دیگر اہلِ علم کے کام پر بھی نظر آتا ہے۔ ان کے کام کی وسعت اور اہمیت کو دیکھتے ہوئے اس کو ہم نے الگ مقالے کا موضوع بنایا ہے۔

۳۔ مولانا عبید اللہ سندھی، **شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ**، ترتیب و تدوین، محمد سرور (لاہور،: المحمود اکیڈمی، تاریخ ندارد)، ص ۱۰۰ و مابعد۔

Mawlānā Ubaydullāh Sindhi, Shāh Walī Allāh awr Un kā Falsafa, Edtr., Muhammad Sarwar (Lahore: al-Maḥmūd Academy, n.d.)

۴۔ یہ فہم مولانا سندھی کا، یا کتاب کے مرتب محمد سرور کا، ہے۔ شاہ صاحب کے الفاظ کچھ مختلف مفہوم دیتے ہیں: "نزولِ قرآن سے پہلے جو کتبِ الٰہیہ نازل ہوئی ہیں، ان کا انداز بہ استثنائے چند حدیثِ قدسی کا تھا۔" شاہ ولی اللہ، **سطعات**، مترجم مولانا سید محمد متین ہاشمی (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۰ء)، سطعہ ۲۲، ص ۱۲۰۔ مترجم مولانا ہاشمی نے حاشیے میں لکھا ہے: "یعنی ان کتابوں کا مفہوم اور معانی تو تجلیِ اعظم سے نازل ہوئے لیکن اسلوبِ بیان انبیا کا اپنا تھا۔" (ایضاً، ص ۱۲۲) اہم بات یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ "بہ استثنائے چند" کے قائل ہیں۔ اس پہلو پر آگے گفتگو آرہی ہے۔

Shāh Walī Allāh, Saṭ'āt, Edtr., Mawlānā Muḥammad Matīn HAshmī (Lahore: Idāra Thaqāfat Islāmiyyah, 1990), Saṭ'ah no.9.

۵۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، ص ۱۰۱۔

Shāh Walī Allāh awr Un kā Falsafa, p. 101.

۶۔ ایضاً۔ Ibid.

۷۔ ایضاً، ص ۱۰۲۔ Ibid., p. 102.

۸۔ یضاً، ص ۱۰۴-۱۰۵۔ Ibid., p. 104-105.

۹۔ یضاً، ص ۱۰۵۔ Ibid., p. 105.

۱۰۔ جی ٹی مینلی، **ہماری کتب مقدسہ**، معاونین جی سی رابنسن اور اے ایم سٹبز، مترجمین جے ایس امام الدین اور مسز کے ایل ناصر (لاہور: مسیحی اشاعت خانہ، لاہور، ۱۹۹۳ء) ص ۲۷۔

G. T. Mainlī, Hamārī Kutub-e Muqaddasah, (Lahore: Masīḥī Ishā'at Khānāh, 1993), p. 27.

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۸۔ Ibid., p. 108.

۱۲۔ ایضاً۔ Ibid.

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۹۔ Ibid., p. 29.

۱۴۔ ایضاً۔ Ibid.

۱۵۔ آل عمران، آیت ۹۳۔ Al-Qur'ān, 3: 93.

۱۶۔ المآئدۃ، آیت ۴۴۔ Al-Qur'ān, 5: 44 .

۱۷۔ المؤمنون، آیت ۴۹۔ Al-Qur'ān, 23: 49.

۱۸۔ سورۃ المآئدۃ، آیت ۴۴۔ Al-Qur'ān, 5: 44.

۱۹۔ سورۃ القصص، آیت ۴۹۔ Al-Qur'ān, 28: 49.

۲۰۔ المؤمنون، آیات ۴۲-۴۳۔ Al-Qur'ān, 23: 42-43.

۲۱۔ المؤمنون، آیات ۴۴۔ Al-Qur'ān, 23: 44.

۲۲۔ المؤمنون، آیات ۴۵-۴۹۔ Al-Qur'ān, 23: 45-49.

۲۳۔ سورۃ القصص، آیت ۴۳۔ Al-Qur'ān, 28: 43.

۲۴۔ سورۃ النسآء، آیات ۱۶۳-۱۶۴۔ Al-Qur'ān, 4: 163-164.

۲۵۔ سورۃ الاعراف، آیات ۱۴۴-۱۴۵۔ Al-Qur'ān, 7: 144-145.

۲۶۔ احمد، "تورات کا نزول یکبارگی ہوا یا تدریجاً؟"، ص ۴۴-۴۹۔
Ahmad, "Tawrayt kā Nuzūl tadrījī huwā yā yakbārgī."

۲۷۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۵ء)، ج۱، ص ۲۳۱-۲۳۲۔
Mawlānā Sayyed Abū 'l-A'lā Mawdūdī, Tafhīm al-Qur'ān (Lahore: Idāra Tarjamān al-Qur'ān, 1975), 1: 231-232.

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۳۲۔ Ibid., p. 232.

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۳۳۔ Ibid., p. 233.

۳۰۔ یہ کتاب دراصل مولانا اصلاحی کے ان مضامین پر مشتمل ہے جو ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۹ء میں مجلّہ "الاصلاح" میں شائع ہوئے۔ ابتدا میں یہ مضامین "تدبر قرآن" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ تاہم جب مولانا اصلاحی نے "تدبر قرآن" کے عنوان سے تفسیر لکھنی شروع کی تو اس کتاب کو "مبادیِ تدبر قرآن" کا نام دیا گیا۔

۳۱۔ مولانا امین احسن اصلاحی، **مبادیِ تدبرِ قرآن** (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۹۱ء)، ص ۹۶۔
Mawlānā Amīn Aḥsan Iṣlāḥī, Mabādī Tadabbur Qur'ān (Fārān Foundation, 1991), p. 96.

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۰۵-۱۰۶۔ Ibid., p. 105-106.

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۱۰-۱۱۳۔ Ibid., p. 110-111.

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۱۳-۱۱۵۔ Ibid., p. 113-115.

۳۵۔ ایضاً، ص ۱۱۶۔ Ibid., p. 116.

۳۶۔ ایضاً، ص ۱۱۷۔ Ibid., p. 117.

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۱۷۔ Ibid., p. 117.

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۱۸۔ Ibid., p. 118.

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۱۹۔ Ibid., p. 119.

۴۰۔ ایضاً، ص ۱۱۹۔ Ibid., p. 119.

۴۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

Joseph E. Carpenter and G. Harford-Bettersby, The Hexateuch According to the Revised Version (New York: Longman, 1900); Gerhard von Rad, The Problem of the Hexateuch and Other Essays (New York: McGraw-Hill, 1966).

۴۲۔ اس تدریس کا سلسلہ سلسلہ "مِدراش" میں جاری رہا۔ عبرانی کلمہ مِدراش اور عربی کلمہ مِدراس ایک ہی معنی دیتا ہے۔ عہد رسالت میں بھی مدینہ منورہ میں بیت المدراس کا ذکر ملتا ہے۔ (**صحیح البخاری**، کتاب الجزیۃ، باب اخراج الیھود من جزیرۃ العرب، حدیث رقم ۲۹۳۱؛ **سنن ابی داود**، کتاب الحدود، باب رجم الیھودیین، حدیث رقم ۳۸۵۹)

Muḥammad b. Ismā‘īl al-Bukhārī, al-Ṣaḥīḥ (Kitāb al-Jizyah, Bāb Ikhrāj al-Yahūd min Jazīrat al-‘Arab), Ḥadīth no. 2931; Abū Dāwūd Sulaymān b. al-Ash‘ath al-Sijistānī, al-Sunan (Kitāb al-Ḥadd, Bāb Rajm al-Yahūdiyyīn), al-Ḥadīth no. 3859.

۴۳۔ یہ روایات پڑھنے پڑھانے والے ربی امورہ کہلاتے تھے۔ یہ لفظ امر سے ماخوذ ہے۔ انھیں یہ نام اس لیے دیا گیا کہ یہ ایک ایک لفظ اور ایک ایک حکم پر لمبے لمبے مباحث چھیڑتے تھے اور اس کی تفصیلی وضاحت کرتے تھے۔ ان کی اس تشریح کو "جمرا" کا نام دیا گیا۔ یہ ارامی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مطلب ہے 'بحث مباحثہ'۔ بعد میں اس خیال سے کہ کہیں یہ روایات ضائع نہ ہو جائیں ان کو تحریری شکل میں لایا گیا اور انھیں تلمود کہا گیا۔ (اس لفظ کا مادہ وہی ہے جو عربی میں تلمیذ اور تلمّذ کا ہے۔) تلمود دراصل مشنا اور جمرا (روایت کے متن اور اس کی شرح) دونوں کا مجموعہ ہے۔ اس وقت تک یہودیت دو بڑے مراکز میں تقسیم ہوئی تھی۔ ایک مرکز فلسطین میں تھا، جبکہ دوسرا مرکز بابل میں تھا۔ چنانچہ دو تلمود وجود میں آئے؛ یروشلمی اور بابلی۔ یروشلمی بائبل پانچویں صدی عیسوی کی نصف تک تکمیل تک پہنچا جبکہ بابلی تلمود چھٹی صدی عیسوی میں مکمل ہوا اور اس لیے نسبتاً زیادہ ضخیم بھی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

H. Polano, The Talmud: Selections from the Contents of That Ancient Book, Its Commentaries, Teachings, Poetry and Legends (New York: Fredrick Warne and Co, 1965;

Norman Solomon, The Talmud: A Selection (London: Penguin Books, 2009).

۴۴۔ مثلاً ہرمین گنکل Hermann Gunkel کی تحقیق Commentary on Genesis نے تورات کی تدوین کے متعلق عام طور پر تسلیم کیے گئے نظریے میں بہت سی تبدیلیاں تجویز کیں جن میں کئی کو قبول عام کا درجہ حاصل ہوا ہے۔ ہرمین کی اس تحقیق کے منتخب حصوں کے انگریزی ترجمے کے لیے دیکھئے:

W. H. Carruth, The Legends of Genesis (New York: Schocken Books, 1964).

۴۵۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:
Klaus Koch, The Growth of the Biblical Tradition: The Form-Critical Method, tr. S. M. Cupitt (New York: Charles Scribner's Sons, 1969.

۴۶۔ انسائیکلوپیڈیا امیریکانا کا مقالہ "توراۃ" کئی دلچسپ نکات پر مشتمل ہے۔ اسی میں ربی رونالڈ نے یہ بحث اٹھائی ہے:
Rabbi Ronald B. Sobel, "Torah," Encyclopedia Americana (Connecticut: Grolier Inc., 1984), v. 26, p 855.

۴۷۔ Responsa سے مراد دینی امور کے متعلق یہودی ربیوں سے کیے گئے سوالات کے جوابات ہیں۔ سہولت کی خاطر ان کا موازنہ مسلمانوں کے ہاں فتاوی کی کتب سے کیا جاسکتا ہے۔

۴۸۔ ایضاً۔ Ibid.

۴۹۔ اس موضوع پر مولانا اصلاحی کی رائے کے تفصیلی جائزے کے لیے دیکھیے: محمد مشتاق احمد، "حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کی حقیقت،" ماہنامہ "**اشراق**" لاہور، ستمبر ۲۰۰۰ء، ص ۳۶-۵۳۔
Muhammad Mushtaq Ahmad "Haḍrat MAsīh 'Alayh al-Salām kī Ta'līmāt kī Ḥaqīqat" Monthly Ishrāq-Lahore, September, 2000, p. 36-53.

۵۰۔ سورۃ ابراہیم، آیت ۵۔ Al-Qur'ān, 14: 5.

۵۱۔ سورۃ طٰہٰ، آیات ۸۰-۸۲۔ Al-Qu'ān, 20: 80-82.

۵۲۔ سورۃ آل عمران، آیت ۹۵؛ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۵۸۔ Al-Qu'ān, 3: 95; 2: 158.

۵۳۔ قرآن مجید کے اشارات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تورات میں عاد، ثمود اور اصحاب مدین کے واقعات کے ذریعے بھی تذکیر کی گئی تھی۔ ان کے متعلق اکادکا اشارات اب بھی سِفر پیدائش اور سِفر خروج میں ملتے ہیں۔

۵۴۔ سورۃ ابراہیم، آیت ۷۔ Al-Qu'ān, 14: 7.

۵۵۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کریں: باب ۲۸۔ دیگر اسفار میں بھی یہ تنبیہات بکثرت پائی جاتی ہیں، مثال کے طور پر دیکھیے: گنتی: باب ۴۱، آیات ۴۱ تا ۷۱۔ Afāri Khamsah, Chapter 28, 41: 41-71.

۵۶۔ مبادیِ تدبرِ قرآن، ص ۱۰۹-۱۱۰۔

۵۷۔ یہ تفسیر انھوں نے اکتوبر-نومبر ۱۹۷۳ء میں لکھی۔ گویا پہلی رائے اور دوسری رائے کے تحریری اظہار کے درمیان تقریباً ۳۵ برس کا فاصلہ ہے۔

۵۸۔ آیت ۳۲۔

۵۹۔ مولانا امین احسن اصلاحی، **تدبر قرآن** (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۹۶ء)، ج ۵، ص ۴۶۳۔
Mawlānā Amīn Aḥsan Iṣlāḥī, Tadabbur Qur'ān (Fārān Foundation, 1996), 5: 463.

۶۰۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱۷۹۔ Ibid., 1: 179.

۶۱۔ ایضاً، ج ۷، ص ۳۵۷۔ Ibid., 7: 357.

۶۲۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۳۵۔ مولانا اصلاحی کے استاد حمید الدین فراہی نے اپنی لغات "**مفردات القرآن**" میں کلمہ "تصدیق" پر مفصل بحث کی ہے اور یہی راے قائم کی ہے جسے بعد میں مولانا اصلاحی نے اختیار کیا۔ (**مفردات القرآن** (اعظم گڑھ: مطبعۃ اصلاح، ۱۳۵۸ھ)، ص ۶۴-۶۷) فراہی نے تصدیق کے اس مفہوم کے شاہد کے طور پر قرآن کی آیت و لقد صدّق علیھم ابلیس ظنہ، فاتبعوہ (اور ابلیس نے ان کے متعلق اپنے گمان سچے کر دکھائے، پس انھوں نے اس کی پیروی کی) (سورۃ سبأ، آیت ۲۰) کو بھی پیش کیا ہے۔

Ibid., 2: 135; Mawlānā Ḥamīd al-Dīn Farāhī, Mufradāt al-Qur'ān (Azam Garh, Maṭba'at al-Iṣāḥ, 1358 A.H.), p. 64-67.

۶۳۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ قرآن میں جہاں بھی مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ بات آئی ہے کہ وہ کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دینے آئے تھے (و یعلمھم الکتٰب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل) تو مولانا اصلاحی کی اتباع میں جناب غامدی کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کے درمیان واو کو تفسیری مان کر اس کا ترجمہ "یعنی" سے کرتے ہیں اور قرار دیتے ہیں کہ کتاب سے مراد تورات اور حکمت سے مراد انجیل ہے۔ (**البیان** (لاہور: المورد، ۲۰۱۰ء) ج ۱، ص ۳۵۴) اسی طرح اگلی کتابوں کی تصدیق کے معاملے میں بھی جناب غامدی نے مولانا اصلاحی ہی کی راے اپنائی ہے۔ (ایضاً، ص ۵۷)

Javed Ahmad Ghamidi, al-Bayān (Lahore: al-Mawrid, 2010), 1: 354.

۶۴۔ تورات پر مغرب میں کی جانے والی تنقید میں بالعموم جس نظریے کو تحقیق کے لیے بنیاد کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے اس کی رو سے اسفارِ خمسہ ایک سے زائد مآخذ سے مواد لے کر مرتب کیے گئے ہیں۔ اس "دستاویزی نظریے" کی رو سے ایسے کم از کم چار مآخذ مانے جاتے ہیں اور یہ بھی بالعموم تسلیم کیا جاتا ہے کہ اسفارِ اربعہ بنیادی طور پر تین مآخذ — J, E, P — پر مبنی ہیں جبکہ سفرِ استثنا ایک خصوصی ماخذ پر مبنی ہے جس اس صحیفے کے نام Deuteronomy کے مخفف D سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہم نے ایک الگ مقالے میں اس نظریے کی توضیح کے بعد اس پر تفصیلی تنقید کی ہے۔ دیکھیے: محمد مشتاق احمد، "تورات کی تدوین کا "دستاویزی نظریہ": ایک تنقیدی جائزہ،" سہ ماہی "**فکر و نظر**،" ج ۵۰، ش ۱ (۲۰۱۳ء)، ص ۵۹-۹۸۔

Muhammad Mushtaq Ahmad, "Tawrāt kī Tadwīn kā "Dastāwīzī Naẓriya": Aik Tanqīdiī Jā'zah", Fikr o Naẓr 50: 1 (2013), p. 59-98.

۶۵۔ اس بحث کی ایک بہترین تلخیص کے لیے دیکھیے:

James King West, Introduction to the Old Testament: "Hear, O Israel!" (North Carolina: Catawba College, 1971), pp 38ff.

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

H. F Hahn, The Old Testament in Modern Research (London: SMC Press, 1956).

۶۶۔ انجیل متی، باب ۱۲، آیت ۵۔ انجیل کی آیت کے ترجمے میں کچھ جھول محسوس ہوتا ہے۔ صحیح مفہوم غالباً یہ ہے کہ کاہن سبت کے دن ہیکل کے اندر کچھ کام کرتے ہیں، اور یوں گویا "مکمل آرام" کا حکم توڑتے ہیں، مگر اس کے باوجود انھیں گنہگار نہیں کہا جاسکتا۔ اس سے سیدنا مسیح علیہ السلام یہ استدلال کر رہے تھے کہ سبت کے دن بعض کام کیے جاسکتے ہیں۔ ہر کام سے رک جانا اس حکم کا مقصود نہیں تھا۔

Injīl Matā, Chapter: 12, Verse: 5.

۶۷۔ انجیل متی، باب ۱۹، آیات ۴-۵۔ ایسی کئی دیگر مثالوں کے لیے دیکھیے:

Robert G. Bratcher, Old Testament Quotations in the New Testament (New York: United Bible Societies, 1984).

۶۸۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۵۹۔ Al-Qur'ān, 2: 159.

۶۹۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، **الفوز الکبیر فی اصول التفسیر**، تعریب: سلمان الحسینی الندوی، (القاہرۃ: دار الصحوۃ، ۱۹۸۶ م)۔ ص ۹۳-۱۰۵۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: **الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر**، تعریب: مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری، شرح: مولانا مفتی محمد امین بن یوسف پالن پوری (لاہور: المصباح، تاریخ ندارد)۔ ص ۲۷۶-۳۰۵۔

SHāh Walī Allāḥ al-Dehlawī, al-Fawz al-Kabīr fī Uṣūl al-Tafsīr Arabic Translation by Sulayman al-Husayni al-Nadwi (Cairo: Dār al-Ṣaḥwa, 1986), p. 93-105; Mawlānā Muahmmad Amīn b. Yūsuf Palanpūrī, al-Kahyr al-Kathīr Sharḥ al-Fawz al-Kabīr (Lahore: al-Misbah, n.d.), p. 276-305.

۷۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی، **البرہان فی علوم القرآن** (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۸ء)۔ ج ۱، ص ۵۴-۶۰۔ نیز دیکھیے: احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیۃ الحرانی، **مقدمۃ فی علوم التفسیر**، تحقیق الدکتور عدنان زرزور۔ ص ۴۰-۴۷۔

Badr al-Dīn Muaḥmmad b. Abdullāh al-Zarkashī, al-Burhān fī Uṣūl 'Ulūm al-Qur'ān (Beirut: Dār al-Fikr, 1988), 1: 54-60; Aḥmad b. Abd al-Ḥalīm Ibn Taymiyah al-Ḥarrānī, Muqaddimah fī 'Ulūm al-Tafsīr Edtr., Dr. Adnan Zarzūr, p. 40-47.